رسالہ التبلیغ نمبر۳ بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بلغوا عنی ولو اٰیةً

رواه البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا انسٹھواں ۵۹ وعظ مسمّٰی بہ

الفاظ القرآن

منجملہ ارشادات حکیم الامۃ حضرت مرشدی ومولائی شاہ محمد اشرف علی صاحب
تھانوی دام ظلہم

حسب فرمائش جناب ناظم صاحب امداد المواعظ تھانہ بھون

احقر شبیر علی عفی عنہ

مالک اشرف المطابع تھانہ بھون نے اپنی اہتمام سے شائع کیا

مطبوعہ ہندوستان پریس دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الوعظ المسمی بہ

الفاظ القرآن

این	کہاں ہوا	جامع مسجد کیرانہ ضلع مظفر نگر
متی	کب ہوا	بروز اتوار ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ بوقت صبح
کم	کتنی دیر ہوا	(۵ گھنٹہ) شروع ۶ بجکر ۵۵ منٹ ختم ۱۲ بجکر ۱۵ منٹ
کیف	کس ہیئت پر ہوا	منبر پر بیٹھکر
لم	کیوں ہوا	جامع مسجد میں تعلیم قرآن کے لئے مدرسہ کا افتتاح ہو رہا تھا اراکین مسجد نے بیان کی درخواست کی
ماذا	کیا مضمون تھا	ضرورت تعلیم قرآن اور اسکے حفظ و تجوید کا اہم ہونا اور اس باب میں جو کوتاہیاں ہو رہی ہیں انکی اصلاح اور شبہات کا ازالہ
من استمع	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	ہر طبقہ کو عموماً اور خصوصاً نو تعلیم یافتہ طبقہ کو
من ضبط	کسنے ضبط کیا	احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
المستمعون	سامعین کی تخمینی تعداد	تقریباً ۱۵۰۰
الاشتات	متفرقات	اس بیان میں نئی روشنی والوں کے اس شبہ کا کہ بدون معنی سمجھے قرآن پڑھنے سے کیا نفع ہے نہایت بسط کیساتھ عجیب طرز سے جواب دیا گیا ہے [illegible] وعظ قریب قریب اسی شبہ کے جواب میں ہے اس خاص مضمون میں یہ وعظ بے نظیر ہے خدا کرے اچھی طرح مقبول ہو [illegible]

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالی علیہ وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا ط اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم الر تلک ایات الکتاب وقرآن مبین

طٰسٓ تلک آیات القرآن وکتاب مبین ۝ یہ دو آیتیں ہیں ایک سورۂ حجر کی دوسری سورۃ النمل کی ان آیتوں کی تلاوت ہی سے سامعین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اسوقت مجھے قرآن کے متعلق بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ مسلمانوں کو قرآن سے خاص مناسبت ہے عوام بھی آیت کو سنکر فی الجملہ اجمالی معنی کو سمجھ لیتے ہیں پھر ان آیتوں میں قرآن کا لفظ صراحۃً مذکور ہے اسلئے اسطرف انتقال ذہن کچھ دشوار نہیں۔ اس مضمون کے اختیار کی یہ وجہ ہوئی کہ آجکل مسلمانوں کو قرآن کے حقوق سے غفلت ہے اور جو اہتمام رمضان میں اسکا ہونا چاہئے اس میں کوتاہی ہے اور رمضان اب نزدیک آرہا ہے کہ سات دن یا چھ دن باقی ہیں اسلئے اس مضمون کو اختیار کیا گیا۔ شاید کسیکو خیال ہوا ہوگا کہ رمضان کی مناسبت سے روزہ کا بیان بھی ہونا چاہئے مگر میں اسوقت روزہ کے متعلق بیان نہیں کروں گا کیونکہ ظاہر ہے کہ ایک جلسہ میں سب مضامین کا بیان دشوار ہے گو ضروری سب ہیں بس یہی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے اہم کو مقدم کیا جائے چنانچہ رمضان کے متعلق روزہ اور قرآن وغیرہ کا بیان ضروری ہے سو میں نے اسوقت ذکر قرآن کو مقدم کیا ہے گو روزہ بھی بڑی چیز ہے کہ نماز کی طرح فرض عین ہے اور تلاوت قرآن اس درجہ میں ضروری نہیں کیونکہ وہ فرض عین نہیں یعنی اول سے اخیر تک قرآن کا پڑھنا فرض عین نہیں گو فرض کفایہ ضرور ہے اور ایک آیت کا یاد کرنا فرض عین اور سورۂ فاتحہ اور ایک سورت کا سیکھنا گو چھوٹی ہی سی سورت ہو واجب علی العین ہے مگر میں نے قرآن کا بیان اسی لئے اختیار کیا ہے کہ اسکا جو درجہ ضرورت کا ہے مسلمان اُس سے بھی غافل ہیں اور جس درجہ اُسکا اہتمام ہونا چاہئے اُسمیں بھی آج کل کوتاہی ہے اور اس کوتاہی کو بہت لوگ کوتاہی نہیں سمجھتے اور روزہ میں جو لوگ درجۂ فرض میں کوتاہی کرتے ہیں یعنی روزہ نہیں رکھتے اُنکی کوتاہی کو ہر شخص جانتا اور روزہ نہ رکھنے والوں کو ہر مسلمان بُرا سمجھتا ہے خود وہ روزہ خور بھی رمضان میں چوروں کیطرح چھپ چھپ کر کارروائی کرتا ہے یعنی وہ خود بھی اپنی اس حرکت کی شناعت سے واقف ہے اور روزہ میں جن کوتاہیوں کو کوتاہی نہیں سمجھا جاتا وہ درجۂ فرض میں کوتاہی نہیں یعنی ایسا فرض جسکے نوت سے روزہ روزہ ہی نہ رہے اور قرآن کے جس درجہ میں کوتاہی ہے وہ ایک تو فرض کفایہ کا درجہ ہے اور ایک فرض عین کا درجہ ہے یعنی بعض

تلاوت قرآن فرض عین نہیں اور فرض کفایہ ہے اور بعض

لوگ پورا قرآن نہیں پڑھتے اور بعض لوگ صحت و تجوید حاصل نہیں کرتے اور ان دونوں درجوں میں قرآن ہی کا تحقق نہیں رہتا اول میں تو ظاہر ہے کہ جزو کا فوت کل کے فوت کو مستلزم ہے اور دوسرے اسلئے کہ قرآن عربی ہے عربیت کے فوت ہونے سے بھی قرآن کا تحقق نہ رہے گا سو قرآن کے متعلق اتنی بڑی کوتاہی کیجارہی ہے اور اسکی ساتھ یہ غضب ہے کہ اسکو کوتاہی بھی نہیں سمجھتے اسلئے قرآن کا بیان اہم ہوا اسلئے میں نے اسکو اختیار کیا ہے گو بیان مختصر ہی ہوگا چند وجوہ سے ایک طبیعت کا مسلمند ہونا دوسرے مشاغل عامہ کا خیال ہے کہ لوگ اپنے کاروبار چھوڑ کر آئے ہیں اُن کا زیادہ حرج نہ ہو (اسپر مجمع میں سے بعض حضرات نے پکار کر کہا کہ حضرت آزادی سے جب تک چاہیں بیان فرمائیں سب لوگ مشتاق ہیں اور کسی کا کچھ حرج نہیں فرمایا کہ آپکو سبکی ضرورتوں کا علم کیونکر ہوسکتا ہے اسپر دوسری طرف سے آواز آئی کہ حضرت کسی کا حرج نہیں فرمایا بہت اچھا لیکن اسپر بھی اگر کسیکو درمیان میں جانیکی ضرورت ہو تو وہ آزاد ہے مقید نہیں ۱۲) تیسرے ایک وجہ اختصار کی یہ بھی ہے کہ اسوقت مجھے قرآن کے متعلق صرف ایک مضمون بیان کرنا ہے جو اب تک کانوں میں نہیں پڑا باقی مضامین جو سب کے کانوں میں پڑے ہوئے ہیں مثلاً فضائل قرآن و ثواب وغیرہ وہ اسوقت بیان نہ کروں گا۔ اور ظاہر ہے کہ ایک مضمون کا بیان عموماً مختصر ہی ہوتا ہے اور وہ نیا مضمون جسکے بیان کا قصد ہے ایسا اہم ہے کہ اُسکے بیان نہ کرنے سے یہ مرض بڑھ جائیگا اسلئے اُس کا اہتمام ضروری ہے رہے فضائل و ثواب وہ اگر میں نے بیان نہ کئے تو دوسروں سے آپکو معلوم ہوسکتے ہیں نیز کتابوں سے بھی معلوم ہوسکتے ہیں کیونکہ آجکل اردو میں بھی دینی رسائل بکثرت ہیں لیکن یہ مضمون غالباً نہ کسی دوسرے سے آپنے سُنا ہوگا نہ سننے کی امید اور نہ کتابوں میں نظر آئیگا۔ اب میں مقصود کو شروع کرتا ہوں یہ دو آیتیں جو میں نے تلاوت کی ہیں حروف مقطعات سے شروع ہوئی ہیں جو ٹکڑے ٹکڑے پڑھے جاتے ہیں ملاکر نہیں پڑھے جاتے اور ان کا مقطعات ہونا نقل ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ لکھا ہوا دیکھکر معلوم نہیں ہوسکتا کیونکہ کتابت میں سب متصل ہیں اس سے ان کا مقطع سمجھنا

بیان اُس مضمون کا ہے جو آجکل کانوں میں نہیں پڑا

تعیین مقصود

حروف مقطعات [illegible]

ف گویا وجہ قصد اختصار کے ہے لعنتہ بیان ہوا تکلیف لو اریدالاطناب من اول الامر ۱۲ ظ

دشوار ہے۔ اسپر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا میرے چھوٹے بھائی ایک دفعہ ریل میں سفر کر رہے تھے اُس درجہ میں ایک انگریز بھی سوار تھا۔ بھائی کے ہاتھ میں حمائل شریف تھی جو ٹائپ کی چھپی ہوئی تھی صاحب بہادر بولے کہ میں اسکو دیکھ سکتا ہوں بھائی نے کہا کہ ادب و تعظیم کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں کیونکہ یہ ہماری آسمانی کتاب ہے انگریز نے رومال ہاتھ پر رکھکر کہا کہ میں اسکو ہاتھ نہ لگاؤں گا رومال سے پکڑوں گا بھائی نے حمائل اسکے ہاتھ میں دیدی اُس نے رومال سے اسکو کھولا تو اول ہی آلٓمٓ نکلا ٹائپ میں ر کا سرا ذرا مڑا ہوا تھا جسپر و کا شبہ ہو سکتا تھا اسلئے صاحب کہتے ہیں کہ یہ کیا ہے آلو بھائی نے حمائل لیلی اور کہا آپ اس کتاب کو بدون ہم سے سیکھے ہوئے پڑھ نہیں سکتے دیہ بھی قرآن کی خصوصیت ہے کہ اسکو بدون مسلمانوں سے سیکھے ہوئے کوئی قوم از خود صحیح طور پر پڑھ بھی نہیں سکتی سمجھنا تو درکنار ۱۲) غرض ان دونو آیتوں میں ایک مابہ الاشتراک تو یہ تھا کہ دونو حروف مقطعات سے شروع ہوئی ہیں دوسرا مابہ الاشتراک یہ بھی ہے کہ ان دونوں آیتوں میں آیات کو آیات قرآنیہ کہا گیا ہے کیونکہ لفظ قرآن دونوں میں مذکور ہے صرف اتنا تفاوت ہے کہ ایک جگہ کتاب کا لفظ مقدم ہے قرآن مؤخر اور دوسری جگہ لفظ قرآن مقدم ہے کتاب مؤخر۔ نیز ایک جگہ قرآن منکّر ہے دوسری جگہ معرف اور کتاب بھی ایسی ہی ہے اور مجھے مضمون میں دونوں سے امداد لینا تھا اسلئے دونوں کو ساتھ ساتھ تلاوت کیا گیا اجمالاً اس مضمون کا پتہ یہ ہے کہ ان آیتوں میں قرآن کے دو لقب مذکور ہیں ایک کتاب (بمعنے قابل کتابت) دوسرے قرآن (بمعنے قابل قرارت) اور دونوں جگہ مبین کی صفت و قید مذکور ہے اور اسکی تفصیل اور اس تقدیم و تاخیر کا فائدہ اور قیود کا مطلب آگے معلوم ہو جائیگا دراصل مجھے اسوقت ایک شبہ کا رفع کرنا مدنظر ہے اور اسی کے لئے میں نے ان آیات کو اختیار کیا ہے اور حقیقت میں وہ شبہ نہیں بلکہ غلطی ہے کیونکہ شبہ تو وہ ہے جسکے لئے کوئی منشا صحیح ہو اور اسکے لئے کوئی منشا صحیح موجود نہیں اسلئے وہ غلطی ہے منشا نہیں اور اس غلطی میں کم و بیش سب مبتلا ہیں کیونکہ مسلمان دو قسم کے ہیں ایک دنیادار۔ دوسرے دیندار۔ اور دنیادار سے میری مراد وہ ہیں جو عقائد کے اعتبار سے

دنیادار ہیں اور دیندار سے مراد بھی وہ ہیں جو عقائد کے اعتبار سے دیندار ہیں گو عمل سے دنیا
دار۔ پہلے زمانہ میں جب تک نیچریت کا ظہور نہ ہوا تھا ہندوستان میں عقائد کے اعتبار سے مسلمانوں
کی یہ دو قسمیں نہ تھیں بلکہ اس وقت عقائد کے اعتبار سے سب دیندار تھے صرف اعمال
کے اعتبار سے دینداری اور دنیاداری کا فرق ہوتا تھا۔ افسوس ہماری قسمت کہ ہم ایسے
زمانہ میں ہیں جسمیں عقائد کے اعتبار سے بھی مسلمانوں کی دو جماعتیں ہو گئیں ایک وہ جنکو
عقائد اسلامیہ میں شبہ ہے ایک وہ جنکو عقائد میں کچھ کلام نہیں اسلئے آج بعضے وہ فاسق
غنیمت معلوم ہوتے ہیں جنکو عقائد میں کلام نہ ہو بلکہ عقائد اسلامیہ پر مضبوطی سے جمے
ہوئے ہیں اور بحمد اللہ ابھی تک کثرت اسی جماعت کی ہے جسکے عقائد درست ہیں اور انمیں
کچھ شبہ نہیں کرتے کیونکہ تعلیم جدید سے ابھی تک بہت لوگ محروم ہیں اور یہ لفظ نو
تعلیمیافتہ جماعت کے محاورہ پر کہدیا ورنہ ہم تو انکو محروم نہیں کہتے بلکہ مرحوم کہتے ہیں کیونکہ
بہت بڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ اس ترقی اور تعلیم کو لیکر کیا کریں جس سے دین
ہی برباد ہونے لگے وہ تو چولہے میں جھونکنے کے قابل ہے اگر معاش کیوجہ سے کسی کو
اس تعلیم کی ضرورت ہی ہو اگرچہ ہمکو ضرورت میں کلام ہے کیونکہ ترقی دنیا تعلیم جدید
پر موقوف نہیں تجارت وغیرہ سے اس سے زیادہ ترقی حاصل ہو سکتی ہے مگر اس
نئے طبقہ کو اسکی ضرورت ایسی مسلم ہے کہ اس میں کلام کرنے کو حماقت بتلاتے ہیں تو ہم انکی
خاطر سے ضرورت کو تسلیم کرکے کہتے ہیں کہ بہت اچھا ہمنے مانا کہ ضروری ہے مگر تم اس تعلیم جدید
کو اس طریقہ سے حاصل کرو کہ اس سے پہلے عقائد و احکام کا علم حاصل کرلو لیکن یہ یاد
رہے کہ ان دینیات کے حاصل کرنے کے لئے وہ مختصر کورس کافی نہیں جسمیں راہ نجات وغیرہ
دو چار مختصر کتابیں ہیں بلکہ اسکے لئے ایسا کورس تجویز کرنا چاہئے جس سے عقائد و احکام
بصیرت کے ساتھ معلوم ہوں اور کچھ اسرار و حکم بھی بتلائے جاویں تاکہ بالاجمال پڑھنے
والیکو معلوم ہو جائے کہ ہمارے گھر میں اسرار و حکم بھی ہیں مصالح عقلیہ کی بھی رعایت ہے
اور تمدن و سیاست بھی کامل ہے اجمالاً اتنا معلوم ہو جانا ضروری ہے تاکہ تعلیم جدید سے
شبہات پیدا نہ ہوں باقی تفصیلی علم کی ضرورت نہیں کیونکہ رعیت کو علم اسرار کی ضرورت

نہیں چنانچہ اسکی نظیر مشاہد ہے کہ رعایا احکام وقت کے احکام ماننے میں علم اسرار کی محتاج نہیں اور اگر کوئی ایسا کرے کہ ہر قانون کی وجہ دریافت کرنے لگے اور یہ کہے کہ بدون وجہ معلوم کئے میں قانون کو نہ مانوں گا تو بھی عقلاء اُسکو کلام سے منع کرتے اور بیوقوف بتلاتے ہیں کہ رعیت کا ہر فرد اسرار احکام سلطنت کو معلوم نہیں کر سکتا نہ اُسکو اُسکے مطالبہ کا حق ہے مگر افسوس بھی عقلاء خدا کے سامنے بہادر بنتے اور اسرار کا مطالبہ کرتے ہیں اور بدون اُنکے معلوم کئے احکام شرعیہ کو نہیں مانتے اور اگر کوئی اُنسے کہے کہ غلام کو آقا کے احکام میں دریافت اسرار کا حق نہیں تو کہتے ہیں لو صاحب ہم سے جبراً منوایا جاتا ہے

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اصل یہ ہے کہ عظمت کے ہوتے ہوئے قوانین میں شبہ اور کلام نہیں ہوا کرتا احکام وقت کی ان کے دل میں عظمت ہے اسلئے اُنکے قوانین میں کلام نہیں کرتے چنانچہ کوئی شخص یہ نہیں کہسکتا کہ وکلاء نے یہ قوانین گھڑ لئے ہیں اور خدا کی عظمت دل میں ہے نہیں اسلئے احکام الٰہیہ میں اُنکو شبہ رہتا ہے اور اسی لئے علماء پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے یہ یہ مسائل گھڑ لئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اسوقت کے علماء نے اپنے مطلب کے مسائل گھڑ لئے ہیں تو کیا شرح وقایہ و ہدایہ وغیرہ میں بھی یہ مسائل بھی لوگ لکھ آئے ہیں صاحبو! یہ کتابیں تو ہم سے صدیوں پہلے کی ہیں اور اگر کہو کہ صاحب ہدایہ اور شارح وقایہ نے یہ مسائل گھڑے ہیں تو بتلاؤ حدیث میں کون لکھ آیا اور اگر حدیث بھی راویوں نے گھڑی ہے تو قرآن میں کون لکھ آیا کیونکہ مسائل و عقائد تو قرآن سے بھی صاف صاف ثابت ہوتے ہیں۔ غرض جسطرح رعایا کے ہر فرد کو احکام سلطنت کے اسرار کا علم ضروری نہیں۔ اسی طرح ہر شخص کو احکام الٰہیہ کے اسرار کا جاننا ضروری نہیں اور جس طرح بدون علم اسرار کے احکام سلطنت کا ماننا جبر نہیں۔ اسی طرح یہاں بھی جبر نہیں اور اگر یہاں جبر ہے تو احکام سلطنت کا بدون اسرار بتلائے منوانا یقیناً جبر ہوگا اور اگر جبراً احکام کو کسی حکم کا منوانا جائز ہے تو احکام الٰہیہ

[illegible]

تو ضرور ماننے کے قابل ہیں کیونکہ وہ ایسی ذات کے احکام ہیں جسکے سامنے احکام تکوینیہ
میں سلاطین عالم بھی مجبور ہیں دوسروں کے احکام چاہے ماننے کے قابل ہوں یا
نہوں مگر افسوس آجکل احکام الٰہیہ کی وقعت نہیں ہاں احکام سلطنت کی بڑی وقعت
ہے خلاصہ یہ کہ کورس دینیات کا علماء سے پوچھکر مقرر کیا جائے تاکہ وہ ایسا کورس مقرر
کریں جس سے شریعت کی عظمت قلب میں جم جائے اور عقائد اسلامیہ ایسے راسخ ہوجائیں
کہ پہاڑ کے ہلائے بھی نہ ہلیں اور اجمالاً اُسکے پڑھنے والیکو اسرار کا علم بھی حاصل ہوجائے
تاکہ اُسکو یہ معلوم ہوجائے کہ علماء کے پاس احکام کے اسرار و مصالح عقلیہ بھی ہیں تو
اوس نصاب کے بعد یہ اُنسے رجوع کریں اور اب تو غضب یہ ہے کہ نو تعلیمیافتہ جماعت
نے یہ سمجھ لیا ہے کہ علماء کے پاس سوائے نقل کے کچھ نہیں اسلئے اسرار میں یہ اُنسے
رجوع ہی نہیں کرتے بس ایک کام تو یہ ضروری ہے جو تعلیم جدید سے پہلے ہونا چاہئے
دوسرے اسکی ضرورت ہے کہ تعلیم جدید حاصل کرنیوالے بچوں کو علماء کی صحبت میں
بٹھلاؤ تعطیل کے زمانہ میں کچھ دنوں کے لئے اُنکو بزرگان دین کے پاس بھیجا کرو
نیز فرصت کے اوقات میں اُنکو علماء شریعت کی کتابیں دیکھنے کی تاکید کرو
اور غیر علماء کی کتابیں دیکھنے سے منع کرو کیونکہ غیر علماء کی کتابیں اُنکی نظر سے گذرنا
بھی جرم ہے جیسا کہ کوئی شخص باغیانہ کتابیں اپنے گھر میں رکھے ظاہر ہے کہ قانونِ
سلطنت کی رو سے یہ بڑا جرم ہے اور سلطنت ایسے شخص کو سخت سزا دیگی مگر حیرت
ہے کہ جس بات کو یہ عقلاء دنیوی قوانین میں جرم مانتے ہیں شریعت کے قوانین
میں اوس سے روکنے کو تعصب بتلاتے ہیں۔ اگر غیر علماء کی کتاب دیکھنے سے روکنا
تعصب ہے تو اہل سلطنت کے اس قانون کو بھی تعصب کہنا چاہئے کہ باغیانہ
کتابوں کا رکھنا جرم ہے مگر اسکو سب عقلاء ضروری اور صحیح قانون سمجھتے ہیں اسلئے
کوئی سلطنت ایسی نہیں جسنے باغیانہ کتابوں کے مطالعہ کو اور گھر میں رکھنے کو جرم

تعلیم یافتوں کو علماء کی صحبت کی ضرورت ہے اور غیر علماء کی کتابیں دیکھنے کی ممانعت

؎ اسمیں وہ لوگ بھی آگئے جو شریعت سے محض جاہل ہیں جیسے سرسید وغیرہ اور وہ بھی آگئے جنکو شریعت کا پورا علم نہیں جیسے
شبلی نعمانی وغیرہ جنکو بجز ادب اور تاریخ کے دین سے کچھ مس نہیں مگر وہ خواہ مخواہ دین میں دخل دیتے ہیں ۱۲ منہ

قرار نہ دیا ہو پھر تم جو علماء پر تعصب کا الزام لگاتے ہو تو یہ بھی تو سوچو کہ علماء کی اس قانون
میں ذاتی کیا غرض ہے ظاہر ہے کہ اُنکی اس میں کچھ غرض نہیں بلکہ غرض تو عوام کی موافقت
میں ہے اور جن مسائل سے عوام متوحش ہوں اور علماء پر الزام لگائیں اس میں کیا
غرض ہو سکتی ہے اور یہیں سے سمجھ لو کہ عالم حقانی وہی ہے جو تمہاری مرضی کیموافق
فتویٰ نہ دے کیونکہ جو مرضی کے موافق فتویٰ دیا کرے اُس میں غرض کا قوی شبہ ہے
کہ وہ عوام کو اپنے سے مانوس کرنا چاہتا ہے اور جو شخص کسی کی مرضی کی رعایت نہ
کرے سمجھ لو کہ وہ صحیح احکام بیان کرتا ہے طبیب اگر تلخ دوا دے تو بتلاؤ اس میں اسکی
کیا مصلحت ہے یقیناً کچھ نہیں بلکہ سراسر مریض کی مصلحت ہے پس جو علماء ایسی باتوں
سے منع کرتے ہیں جنمیں لوگوں کو مزہ آتا ہے سمجھ لو کہ وہ محض خیر خواہی سے منع کرتے
ہیں کیونکہ وہ ان باتوں میں زہریلا اثر مشاہدہ کرتے ہیں۔ واللہ اہل باطل کی کتابوں کا
بعض علماء پر بھی بُرا اثر ہو جاتا ہے تو عوام کی تو اُنکے مطالعہ سے کیا حالت ہوگی
لھذا عوام کو کوئی کتاب بدون مشورہ علماء کے ہرگز نہ دیکھنا چاہئے۔ اور اگر کوئی یہ
کہے کہ میں ردّ کے لئے دیکھتا ہوں تو یہ بھی مناسب نہیں کیونکہ یہ کام علماء کا ہے
تمہارا کام نہیں اور اس میں آپکی توہین نہیں۔ اگر یہ کہدیا جائے کہ یہ کام آپ کا نہیں
کیونکہ اگر ایک شخص قانون میں ایل ایل بی ہو تو وہ فن انجنیری سے جاہل ہوگا
اور ایک انجنیر کو یہ حق ہے کہ اُسکو کہدے کہ آپ گو قانوں داں ہیں مگر انجنیری سے
جاہل ہیں۔ اسلئے اسمیں آپکو دخل دینے کا حق نہیں ایسے ہی میں کہتا ہوں کہ آپ لوگ
ان علوم سے جاہل ہیں جنکی رد کرنے میں ضرورت ہے اسلئے آپکو اس قصد سے بھی
اہل باطل کی کتابوں کا مطالعہ جائز نہیں اور اگر کسیکو لفظ جاہل ناگوار ہو تو نادان
کہہ لو۔ ایک نو تعلیمیافتہ نے مجھسے ایک باریک مسئلہ پوچھا تھا میں نے کہا کہ آپ
اس مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتے انکو میرا یہ جواب بہت ناگوار ہوا کہنے لگے اسکی کیا وجہ کہ میں
اسکو نہیں سمجھ سکتا میں نے کہا وجہ یہ ہے کہ اسکے سمجھنے کے لئے جن مقدمات ومبادی
کے جاننے کی ضرورت ہے آپ انکو نہیں جانتا اور جن بات کا علم مقدمات ومبادی

پر موقوف ہو اسکو بدون اُنکے جانے ہوئے سمجھنا دشوار ہے اور اگر آپ اسکا دعوی
کریں کہ بدون مقدمات ومبادی کے بھی میں سمجھ سکتا ہوں تو پہلے آپ میرے سامنے
ایک گھس کھدے کو جنے اقلیدس کے مقدمات واصول موضوعہ معلوم نہیں کئے اقلیدس
کی کوئی شکل سمجھادیں - اور میرے سامنے اُس سے تقریر بھی کرادیں تو میں بھی اس مسئلہ
کا جواب بدون مقدمات ومبادی کے آپکو سمجھادوں گا - اس کا اُنکے پاس کوئی جواب
نہ تھا خاموش ہوگئے - ایک شخص سے میں نے ایسے ہی موقع میں یہ بھی کہا تھا کہ شاید
آپکے دل میں یہ وسوسہ آیا ہو کہ علماء کے پاس میرے سوال کا جواب نہیں اسلئے
بہانہ کرکے ٹالدیا تو اب آپ یہ کیجئے کہ سامنے درسگاہ میں جو مدرس پڑھا رہے ہیں اُنسے
اپنا سوال بیان کردیجئے اور کہئے کہ وہ اس کا جواب مجھسے دریافت کریں میں اُنکے
سامنے جواب بیان کردوں گا کیونکہ وہ اسکے مقدمات ومبادی سے واقف ہیں اس سے
آپکو یہ بھی معلوم ہوجائیگا کہ علماء کے پاس آپکے سوال کا جواب ہے اور یہ بھی معلوم
ہوجائیگا کہ آپ اُس جواب کو نہیں سمجھ سکتے کیونکہ آپ اُسکے مقدمات سے جاہل
ہیں اور جسکو مقدمات کا علم ہے وہ سمجھ جائیگا چنانچہ میں آپکے سامنے اُس مدرس سے
بھی جواب کی تقریر کرادوں گا اور اگر وہ ایسا کرتے تو بہت جلدی اقرار کرلیتے کہ واقعی
میں اس سوال کا اہل نہ تھا تو صاحبو! ہر شخص ہر بات کے سمجھنے کا اہل نہیں ہوتا اسلئے
آپ تقلیداً مان لیجئے کہ مخالفین کا رد کرنا آپ کا کام نہیں اسلئے آپکو غیر مذہب والوں کی
کتابیں اور اُن مسلمانوں کی بھی کتابیں جنکو دین سے مس نہیں ہرگز نہ دیکھنا چاہئے یہ
محض آپکی خیرخواہی کے لئے میں کہہ رہا ہوں تا کہ آپ کا دین سلامت رہے جو ہر مسلمان
کو جان سے زیادہ عزیز ہے آگے آپ جانیں آپ کا کام - بس تعلیم جدید حاصل کرنیکا
طریقہ یہ ہے کہ اوّل اپنے مذہب کی تعلیم حاصل کرو کسی عالم کے مشورہ سے کورس مقرر
کرے - دوسرے علماء کی صحبت میں آمد ورفت رکھو - تیسرے غیر جنس کی کتابوں سے
احتراز رکھو اور علماء حقانی کی کتابیں مطالعہ میں رکھو اسکے بعد تعلیم جدید حاصل کرنیکا
مضائقہ نہیں - اور یہ جب ہے کہ تعلیم جدید کی ضرورت مان لیجائے - اور میں نے

آپکی خاطر سے اسکو مانکر یہ طریقہ بتلا دیا ہے ورنہ علماء کا مذاق اس سے مختلف ہے آپکو ایسے علماء بھی ملیں گے جو اسکی ضرورت ہی کو نہیں مانتے اور دلائل سے آپکو ساکت کر سکتے ہیں مگر میرا یہ مذاق ہے کہ میں منازعت و مناظرہ نہیں کیا کرتا اسلئے میں نے اس تعلیم کی ضرورت کو آپکی خاطر سے تسلیم کر کے اسکی اصلاح کر دی ہے جیسا کہ طبیب مریض کو بیگن سے منع کرے اور مریض نہ مانے تو بعض طبیب تو اس حالت میں مریض سے جھگڑنے لگتے ہیں اور غصہ ظاہر کرنے لگتے ہیں اور بعض شفیق طبیب ایسے بھی ہیں جو بیگن کی اصلاح کر کے اجازت دیدیتے ہیں کہ اچھا اسکے اندر دہی اور پالک ڈالدینا اور کھا لینا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ بحمد اللہ زیادہ مسلمان تو ایسے ہی ہیں جو عقائد میں شبہات سے پاک ہیں کیونکہ وہ تعلیم جدید کے اثر سے محفوظ ہیں اور تھوڑے سے ایسے ہیں جو تعلیم جدید سے متاثر ہو کر شبہات میں مبتلا ہیں اور انکی صحبت میں بیٹھنے سے عوام پر بھی کچھ اثر ہونے لگا ہے اسلئے اسکی روک تھام ضروری ہے اور اگر اسکی اصلاح نہ کیگئی تو مفسدہ عظیمہ کا اندیشہ ہے تو میں اسوقت اس دوسری جماعت کے ایک شبہ کا جواب دینا چاہتا ہوں وہ شبہ یہ ہے جو دلوں میں تو بہت لوگوں کے پہلے سے ہے مگر اب بعض کی زبان پر بھی آنے لگا ہے کہ اس حالت میں قرآن کے پڑھنے سے کیا نفع جب ہم اسکو سمجھتے ہی نہیں اور بعضے اس عنوان سے اسکو بیان کرتے ہیں کہ بچوں کو طوطے کی طرح قرآن کے رٹانے سے کیا فائدہ جب وہ سمجھتے ہی نہیں بات یہ ہے کہ قرآن کے پڑھنے میں جو فائدہ ہے اس سے یہ لوگ واقف نہیں اگر فائدہ سے واقف ہو جاتے تو اسکے لئے کوشش کرتے جیسا کہ تجارت کرنے والے آجکل کاندھلہ جا کر آم لاتے ہیں اور اسمیں بڑی بڑی مشقتیں برداشت کرتے ہیں کیونکہ اسکے نفع سے واقف ہیں کہ ایک روپیہ کے دو ہو جائیں گے دنیا کے کاموں میں تو لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جب کسی تجربہ کار سے یہ معلوم کر لیا کہ فلاں چیز کی تجارت میں بہت نفع ہے تو اسکے قول پر اعتماد کر کے وہ تجارت شروع کر دیتے ہیں اور اگر ایک دو بار نقصان بھی ہو جائے تو ہمت نہیں ہارتے بلکہ پھر وہی کام کرتے ہیں چنانچہ آم والوں

کو بعض دفعہ خسارہ بھی ہوتا ہے مگر خسارہ والا پھر وہی کام کرتا ہے اور اگر خسارہ بھی نہو
بلکہ برابر معاملہ رہتا ہو کہ نہ نفع ہے نہ نقصان جب تو اس تجارت کو چھوڑ ہی نہیں سکتے
اور یوں کہتے ہیں کہ تجارت میں یہ بھی ایک قسم کی کامیابی ہے کہ نقصان نہو دوسرے
اب نفع نہیں ہوا تو آئندہ تو امید ہے بلکہ خسارہ بھی ہو تب بھی اس امید نفع کو نفع
سمجھا جاتا ہے مگر افسوس دین میں معلوم نہیں یہ اصول کہاں گئے صاحبو! کیا یہ حیرت
نہیں کہ دنیا کے کاروبار میں تو نقصان نہ ہونیکو بھی کامیابی سمجھا جاتا ہے اور دین کے
کام میں نفع کے تاخیر کو بھی کامیابی نہیں سمجھا جاتا زراعت تجارت ملازمت سب میں
کبھی نفع ہوتا ہے کبھی نہیں اور بعض دفعہ نقصان بھی ہو جاتا ہے مگر انکو کیونکر چھوڑ
دیں وہاں تو تجربہ کاروں کا قول ہے کہ ان کاموں میں فائدہ ہے گو ہمیشہ نہیں
اکثر ہی ہوا اور گو عاجل نہ ہو مؤخر ہی ہو مگر افسوس کیا خدا اور رسول کا قول ان
تجربہ کاروں کے قول سے بھی کم ہو گیا جو صاف صاف قرآن کے منافع بیان کر چکے
ہیں پھر وہ بھی ہر حالت میں خواہ سمجھکر پڑھو یا بدون سمجھے پڑھو۔ اور میں واللہ العظیم
کہتا ہوں کہ جو لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ جب ہم سمجھتے نہیں تو قرآن کے پڑھنے سے کیا فائدہ
یہ محض حظ نفس کے بندے ہیں انکو عقل سے ذرا مس نہیں گو دعوے بہت کرتے ہیں اگر
یہ عقل کے بندے ہوتے تو ایسی بےعقلی کی بات نہ کہتے کیونکہ عقلی قواعد میں یہ نہیں ہوا
کرتا کہ ایک دلیل سے ضد شی اور عین شی دونوں پر استدلال ہو سکے۔ اگر یہ شبہ
عقلی ہوتا کہ جب معانی نہ سمجھے تو الفاظ سے کیا فائدہ تو بتلائیے اس قاعدہ عقلیہ سے
کیا ثابت ہوتا آیا یہ کہ الفاظ کو چھوڑ دو یا یہ کہ محض الفاظ پر اکتفا نہ کرو بلکہ معانی بھی
حاصل کرو ظاہر ہے کہ اس سے الفاظ کے چھوڑنے پر دلالت نہیں کیونکہ جب معانی کی
ضرورت اس قاعدہ میں مسلم ہے اور معانی الفاظ کے تابع ہیں اور ضروری کا موقوف علیہ
ضروری ہوتا ہے تو اس سے تو خود علم الفاظ کی ضرورت پر دلالت ہو رہی ہے۔ اگر وہ یہ
کہیں کہ ہاں ہم الفاظ کی ضرورت تسلیم کرتے ہیں مگر انکو اسوقت حاصل کرنا چاہئے
جبکہ معانی کی فہم بھی ساتھ ساتھ حاصل ہو سکے تو ہم کہتے ہیں کہ آپکی یہ تاویل اسوقت

[illegible]

چل سکتی تھی جبکہ ہم دیکھتے کہ تم اپنے بچوں کو بچپن میں تو قرآن نہ پڑھاتے کیونکہ اُسوقت سمجھیں گے نہیں بلکہ بڑے ہوکر پڑھاتے کہ اسوقت سمجھینگے مگر تمہاری حالت تو یہ ہے کہ تم نہ بچپن میں پڑھاتے ہو نہ پچپن میں تو معلوم ہوا کہ تم اس قاعدہ سے علی الاطلاق خود عدم ضرورتِ الفاظ پر بھی استدلال کرنا چاہتے ہو اور یہ وہی بات ہے کہ دلیل سے ضد شئی پر استدلال کیا گیا ہے حالانکہ وہ عین شئی کو بھی مثبت ہے معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ عقلیہ نہیں اسیلئے میں کہتا ہوں کہ اسکا منشا محض نفس پرستی ہے ان لوگوں نے اس قضیہ کو غرض نفس کا ایک بہانہ بنالیا ہے اور دل میں انکے یہ ہے کہ نہ قرآن کے الفاظ کی ضرورت ہے نہ معانی کی گو زبان سے معانی کی ضرورت ظاہر کرتے ہیں مگر اُن کا عمل بتلاتا ہے کہ وہ کسیکی بھی ضرورت نہیں سمجھتے ورنہ کسی وقت تو قرآن کو معانی ہی کی ساتھ حاصل کرتے اور اپنے بچوں کو اسکی تعلیم دلاتے جب عمل یہ ہے تو اب زبان سے معانی کی اہمیت ظاہر کرنا مخلوق کو دہوکہ دینا ہے مگر خدا کو کس طرح دہوکہ دے لوگے جو علیم بذات الصدور ہے وہ تو تمہاری دل کی حالت کو خوب جانتا ہے کہ تم خود قرآن کی تعلیم ہی کو مطلقاً بیفائدہ سمجھتے ہو خواہ محض الفاظ ہوں یا معانی کے ساتھ ہوں ؎

خلق راگیرم کہ بفریبی تمام | درغلط اندازی تا ہر خاص وعام
کارہا باخلق آری جملہ راست | باخدا تزویر وحیلہ کے رواست
کارہا او راست باید داشتن | رایت اخلاص وصدق افراشتن

خدا کے ساتھ دہوکہ نہیں چل سکتا عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

ترسم کہ صرفۂ نبرد روز بازخواست | نان حلال شیخ ز آب حرام ما

یعنی مجھے اندیشہ ہے کہیں ہمارا آب حرام شیخ کے نان حلال سے قیامت میں بڑھ نہ جائے کیونکہ وہ مخلوق کو دہوکہ دینے کے لئے تقوی اور بزرگی کی صورت بناتا ہے اور ہم اپنے کو قصوروار سمجھکر گناہ میں مبتلا ہیں اور خدا کے یہاں دہوکہ چل نہیں سکتا اسلئے اندیشہ ہے کہیں ریاکار مشائخ کا ہماری رندی سے گھٹ نہ جائے اسی طرح

میں کہتا ہوں کہ فاسق مسلمان جو اپنے کو گنہگار سمجھتا ہے ان مہذب لوگوں سے اچھے پڑے رہیں گے جو عقائد اسلام میں شبہات نکالتے ہیں اور عقل سے شریعت کا مقابلہ کرتے ہیں چونکہ یہ لوگ ظاہر میں مسلمان ہیں اسلئے زبان سے یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ قرآن پڑھنے کو مطلقاً ہمارا جی نہیں چاہتا ورنہ کفر کا فتویٰ لگ جائے گا اسلئے یہ قاعدہ غرض نفس کے موافق گھڑ لیا کہ جب معانی نہیں سمجھتے تو الفاظ سے کیا نفع۔ اس کا جواب بس یہی ہے کہ بہت اچھا آپ اپنے بچوں کو معانی ہی کیساتھ قرآن پڑھایئے اور انکو ابتدا ہی سے عربی کی تعلیم صرف ونحو کی دیجئے مگر اس سے تو اور بھی خون خشک ہو جائیگا کیونکہ وہ تو الفاظ کو ٹالکر معانی سے بھی سبکدوش ہونا چاہتے ہیں یہ کیسی الٹی پڑی صرف ونحو بھی گلے پڑے گئی مگر جو شخص الفاظ کو بدون معانی کے بیفائدہ کہے اور صرف معانی ہی کی ضرورت کا قائل ہو اُسکو یقیناً ضروری کی تحصیل پر مجبور کیا جائیگا۔ صاحبو! ظاہر میں یہ قضیہ کہ بدون سمجھے الفاظ سے کیا فائدہ پُر مغز معلوم ہوتا ہے مگر دراصل ان لوگوں نے مغز اسلام نکالدیا۔ ان میں سے بعضوں نے تحصیل معانی کی بھی کوشش کی مگر وہ اسکا مصداق تھی ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی　　　تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

انھوں نے معانی حاصل کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ترجمۂ قرآن کا مطالعہ کر لیا مگر یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص خوان نعمت سے کھانا پکانا سیکھے کیونکہ اُس میں سب کھانوں کی ترکیب لکھدی ہے مگر اُس سے آٹا گوندھنے کا طریقہ اور پانی کھپانیکی ترکیب اور آنچ کا انداز کیسے معلوم ہو گا نیز اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک صاحب نے ضاد کے بارہ میں مجھسے تحریراً سوال کیا تھا کہ ضاد مخرج کہاں سے ہے اور اسمیں اور ظا میں فرق کیونکر ہوتا ہے میں نے لکھدیا کہ یہ بات خط سے نہیں معلوم ہو سکتی کیونکہ ؎

گر مصور صورت آن دلستاں خواہد کشید　　　لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

اسکو کسی ماہر تجوید سے زبانی سنکر سمجھ سکتے ہو تو حضرت باتیں ایسی ہیں جو مطالعہ

سے حاصل نہیں ہوسکتیں بلکہ اُنکے لئے استاد کی ضرورت ہے کیونکہ بعض باتیں سینہ بسینہ ہوتی ہیں اس میں کچھ تصوف اور سلوک ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ ہر علم میں ایک بات ایسی ہوتی ہے جو سینہ بسینہ ہے کہ صرف استاد سے حاصل ہوتی ہے

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

پھر قرآن ہی اتنا سستا کیوں ہوگیا کہ اس کا مطلب بدون استاد کے سمجھ میں آجائیگا آجکل تعزیرات ہند کا ترجمہ اردو میں ہوگیا ہے ذرا کوئی اس ترجمہ کو دیکھکر مطلب صحیح تو بیان کردے یقیناً بہت جگہ غلطی کریگا اسی طرح کیمیا کی کتابیں اردو میں ہوگئی ہیں کوئی انکو دیکھکر کیمیا تو بنائے کبھی نہیں بنا سکتا ایس معانی قرآن حاصل کرنیکا یہ طریقہ نہیں کہ ترجمہ دیکھ لیا جاوے۔ ترجمۂ قرآن اگر دیکھو تو صرف و نحو اور قدرے فقہ کے بعد دیکھو اگر یہ نہ ہوسکے تو کم از کم اُردو ترجمہ کسی عالم سے سبقاً سبقاً پڑھ لو سو ایک جماعت تو یہ تھی جسکے عقائد تعلیم جدید کی وجہ سے خراب ہوگئے ہیں۔ اور ایک جماعت عوام کی ہے اُن کا عقیدہ یہ تو نہیں کہ بدون معانی کے قرآن پڑھنے سے کیا فائدہ مگر اسکا اثر لئے ہوئے ہیں کہ قرآن کے پڑھنے میں کوشش نہیں کرتے سو یہ لوگ دوسرے رنگ میں اس غلطی میں مبتلا ہیں اسلئے اسوقت میں اس غلطی کو رفع کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالے نے ان آیات میں اول الٓر فرمایا ہے یہ تو حروف مقطعات ہیں جنکے معنی ہمکو معلوم نہیں گو بقول بعض محققین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھے لیکن اُمت کو نہیں بتلائے گئے مگر میں انسے بھی اپنے مقصود میں کام لوں گا گو سامعین کو تعجب ہوگا کہ جب معنی ہی معلوم نہیں تو اس سے مضمون کو کس طرح ثابت کیا جائیگا لیکن یہ تعجب میری تقریر کے بعد مرتفع ہو جائیگا ابھی میں آیتوں کا ترجمہ بیان کردوں اُسکے بعد ان حروف سے مدعی ثابت کروں گا۔ تو حق تعالی فرماتے ہیں تلک آیات الکتاب وقرآن مبین۔ یہ آیات کتاب اور قرآن مبین کی ہیں یہی ترجمہ دوسری آیت کا ہے صرف کتاب و قرآن میں تقدیم و تاخیر کا فرق ہے تو اس جگہ آیات کے دو لقب بیان کئے گئے ہیں۔ ایک قرآن دوسرے کتاب۔ قرآن کے معنے ہیں ما یقرأ یعنی پڑھنے

کی چیز اور کتاب کے معنی ہیں مایکتب یعنی لکھنے کی چیز اور ظاہر ہے کہ پڑھنے اور لکھنے کی چیز
کیا ہے الفاظ ہی تو ہیں معانی کو کون پڑھ سکتا یا کون لکھ سکتا ہے اور ایک مضمون
ابھی ذہن میں آیا ہے جو شروع میں نہ آیا تھا اب تک تو ذہن میں یہ بات تھی کہ الفاظ
ہی پڑھنے لکھنے کی چیز ہیں معانی کو پڑھ لکھ نہیں سکتے اسپر ایک لطیفہ یاد آیا کہ نحویین نے
کہا ہے کہ ضرب میں ضمیر ہو مستتر ہے اسکا مطلب تو یہ ہے کہ ظاہر میں ضمیر مذکور نہیں
لیکن سمجھنے میں آتی ہے مگر ایک طالب علم یہ سمجھے کہ ضرب کے اندر ضمیر ہو چھپی ہوئی بیٹھی
ہے تو آپنے ضرب کو چھیلنا شروع کیا یہانتک کہ کاغذ پھٹ گیا اور اتفاق سے دوسرے
ورق میں اس جگہ ہو لکھا ہوا تھا یہ بڑے خوش ہوئے کہ واقعی اُستاد نے ٹھیک کہا تھا
کہ اسکے اندر ہو پوشیدہ ہے دیکھو چھیلنے سے نکل آیا پھر دوڑے ہوئے استاد کے
پاس آئے کہ دیکھئے میں نے ضرب کو چھیلا تھا یہ ہو نکل آیا جو اس میں چھپا ہوا تھا
استاد بہت ہنسے اور انکو مطلب دوبارہ سمجھایا غرض یہ طالب علم یوں سمجھا تھا کہ معانی
بھی کتابت میں آسکتے ہیں مگر یہ اُسکی غلطی ہے معانی قرات و کتابت میں نہیں آسکتے ۱۶
ان کا محل صرف ذہن ہے۔ لوگ بے تار کی خبر پر تعجب کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ نے اسکو
پہلے سے پیدا کر رکھا ہے کیونکہ الفاظ سے معانی کا سمجھنا یہ بے تار کے ہی تو خبر ہے
کیونکہ معانی کا مرکز قلب ہے اور جہاں الفاظ کسی کے زبان سے نکلے معاً وہاں معانی
سمجھے گئے غرض ان آیتوں میں اشارہ کیا بلکہ صراحت ہے کہ قرآن کیساتھ پڑھنے کا
تعلق رکھو کیونکہ لفظ قرآن کے معنی یہی ہیں اور ظاہر ہے کہ قرات الفاظ ہی کی ہوتی ہے نہ
کہ معانی کی۔ دوسری صفت اس جگہ کتاب ہے جسکے معنے لکھنے کی چیز ہیں اس سے معلوم
ہوا کہ الفاظ قرآن کیساتھ قرات کے علاوہ ضبط و کتابت کا بھی تعلق رکھنا چاہئے سو
اب تک تو صرف یہی بات ذہن میں تھی اور دوسری جو بات اسی وقت ذہن میں آئی
یہ ہے کہ کتاب کا مصداق حقیقۃً نہ الفاظ ہیں نہ معانی کیونکہ الفاظ تو زبان سے ادا
ہوتے ہیں ان کا محل زبان ہے لفظ کے معنے لغت میں پھینکنے کے ہیں چونکہ الفاظ زبان
سے پھینکے جاتے یعنی نکالے جاتے ہیں اسلئے انکو الفاظ کہا جاتا ہے اور معانی کا محل

صرف ذہن ہے وہ تو کتاب کا مصداق کسی طرح سے ہی نہیں بلکہ اسکا مصداق دوسری چیز ہے یعنی نقوش جنکو عوام کرم کانٹے کہتے ہیں کیونکہ ان پڑھ آدمی لکھا ہوا پڑھ نہیں سکتا نہ سمجھ سکتا ہے اسلیئے وہ انکو کرم کانٹے کہتے ہیں مگر کتاب کا مصداق مطلق نقوش نہیں بلکہ وضعی نقوش ہیں جیساکہ الفاظ کی دلالت معانی پر وضعی ہے طبعی نہیں کیونکہ غیر اہل زبان اُسکو نہیں سمجھ سکتا اسی طرح نقوش بھی وضعی ہیں اور انکی دلالت بھی الفاظ پر وضعی ہے اسی لئے پڑھے ہوئے آدمی انکو سمجھتے ہیں ان پڑھ نہیں سمجھ سکتے جب یہ معلوم ہوگیا کہ کتاب کا حقیقی مصداق نقوش ہیں تو آپ تو الفاظ ہی کو غیر مقصود بتلاتے تھے اور قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ نقوش قرآن بھی قابل حفاظت و مستحق تعظیم ہیں یہ تو الٹی پڑی کہ گئے تھے نماز کو بخشوانے روزے بھی گلے پڑ گئے۔ مگر صاحبو یہ گلے نہیں پڑے کیونکہ اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ کسی شخص کو اشرفیاں اور جواہرات دیکر اُس سے کہے کہ اسکو حفاظت سے رکھو قفل اور تالہ لگاؤ اگر اس شخص کو روپیہ اور جواہرات کی قدر معلوم ہے تو اس حکم کی قدر کریگا اور کہیگا ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا با جان جاں ہمراز کردی

اور جسکو روپیہ کی قدر نہ ہوگی وہ کہے گا کہ یہ اچھی بلا میرے سر پڑی کہ حفاظت کرو اور قفل لگاؤ۔ اسی طرح جو لوگ معانی کی قدر کرتے ہیں وہ ان الفاظ و نقوش کی بھی قدر کریں گے کیونکہ یہ انھی کی حفاظت کا سامان ہے اور جو قدر نہیں کرتے وہ اسکو سر پڑی بلا سمجھیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ جو تعلیمیافتہ الفاظ قرآن کے پڑھنے کو بیفائدہ سمجھتے ہیں وہ حقیقت وہ معانی قرآن کی قدر نہیں کرتے ورنہ اسکی حفاظت کے ہر سامان کی اُنکو قدر ہوتی۔ صاحبو! الفاظ قرآن کو اُسکی حفاظت میں بہت بڑا دخل ہے کیونکہ الفاظ قرآن کا یہ معجزہ ہے کہ وہ نہایت سہولت سے حفظ ہو جاتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ خدانخواستہ یہ لکھے ہوئے مصاحف گم ہو جائیں تو ایک بچہ حافظ قرآن اپنی یاد سے اسکو دوبارہ لکھوا سکتا ہے بڑوں کا تو کیا ذکر مظفر نگر کا واقعہ ہے کہ وہاں ایک واعظ نے قرآن کے اس معجزہ کو ظاہر کرنا چاہا تو درمیان وعظ میں ایک آیت پڑھکر اٹک گئے اور

مجمع کو خطاب کر کے کہا کہ اس مجمع میں جسقدر حفاظ موجود ہوں چھوٹے بڑے سب کھڑے ہو جائیں مجھے ایک آیت میں شبہ ہو گیا ہے اسکو حل کرنا چاہتا ہوں تو چاروں طرف سے بہت سے آدمی کھڑے ہو گئے جنمیں بچے بھی تھے جوان بھی اور بوڑھے بھی تھے ادھیڑ بھی۔ یہ دیکھکر واعظ نے کہا الحمد للہ صاحبو! مجھکو آیت میں شبہ نہیں ہوا تھا مجھے صرف یہ دکھلانا تھا کہ اس مجمع میں جسکے اندر حفاظ کو بالقصد جمع نہیں کیا گیا یوں ہی کیفما اتفق یہ سب مجمع آگیا ہے اسقدر حفاظ قرآن موجود ہیں اب قیاس کرو کہ سارے شہر میں کتنے حافظ ہونگے پھر یہ انداز کرو کہ پورے ضلع میں کتنے ہونگے پھر سوچو کہ سارے ہندوستان میں کتنے ہونگے اور دنیا بھر میں کتنے ہوں گے صاحبو! یہ قرآن کا معجزہ نہیں تو کیا ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ قرآن کی طرف رغبت کا کوئی سامان نہیں نہ اُسکے حفظ کرنے والوں کو کوئی بڑا عہدہ ملتا ہے بلکہ زیادہ تر امراء کی توجہ انگریزی پڑھنے کی طرف ہے اور کفار قرآن کے مٹانے کی کوشش کرتے ہیں اسقدر حفاظ موجود ہیں کہ بچے بھی حافظ ہیں اور مرد بھی اور بعض قصبات میں عورتیں بھی حافظ ہیں چنانچہ قصبہ پانی پت میں بہت عورتیں حافظ ہیں اور بعضی تو سبعہ قرات کی حافظ ہیں۔ صاحبو! میں نہایت آزادی سے صاف صاف کہوں گا کہ جو لوگ بدون معانی سمجھے الفاظ قرآن کے پڑھنے کو .... بیکار کہتے ہیں واللہ وہ حضرت حق تعالی کا مقابلہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالی تو قرآن کے حافظ پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ محفوظ رہے اور یہ لوگ دنیا سے حفظ قرآن کو مٹانا چاہتے ہیں کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ حفظ قرآن بچپن ہی میں اچھا ہوتا ہے بڑے ہو کر ویسا حفظ نہیں ہوتا جیسا بچپن میں ہوتا ہے اور بچپن میں بچہ معانی قرآن سمجھنے کے قابل نہیں ہوتا تو اب اگر ان لوگوں کے مشورہ پر بچوں کو قرآن نہ پڑھایا جائے تو اسکا انجام یہی ہے کہ حفظ کا دروازہ بند ہو جائے مگر یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم ویأبی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون یہ خدا کے نور کو مٹانا چاہتے ہیں بخدا یہ خود ہی مٹ جائیں گے اور خدا کا نور ان کے مٹانے سے ہرگز نہ مٹے گا یہ لوگ اپنی

ایمان کی خیر منائیں یہ ہیں کس ہوا میں خدا کی قسم ان لوگوں کا نام ونشان تک نہ رہیگا یہ بالکل تباہ وبرباد ہوجائیں گے ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آنکو تف زند ریشش بسوزد

اور ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

اس عارف نے یہ بات اہل اللہ کے انوار کے متعلق فرمائی ہے تو جب اہل اللہ کے انوار کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتے تو خود اللہ کا نور کس طرح مٹ سکتا ہے بعض اہل اللہ پر ظالموں نے ستم کیا اور انکو ذلیل کرنا چاہا اُنکی قبر پر گوہ ڈلوایا مگر اُن کا نام اور اُنکے انوار اب تک تاباں ودرخشاں ہیں اور وہ ظالم گمنام اور ناپیدا ہوگئے کوئی اُنکے نام سے بھی واقف نہیں نہ انکی قبر کا نشان باقی ہے اور اہل اللہ کے مزارات اسوقت تک مرجع الخلایق بنے ہوئے ہیں۔ دوسرے یہ بات مشاہد ہے کہ اہل اللہ اپنے کو خود مٹانا ناپید کرنا گمنام کرنا چاہتے ہیں اور اہل ظاہر طرح طرح سے اپنے کو ظاہر کرنا مشہور کرنا چاہتے مگر اہل اللہ یعنی اہل باطن ہی چمکتے ہیں اور اہل ظاہر کی شہرت چند روزہ ہوکر خاک میں ملجاتی ہے۔ بعض مصنفین نے اپنی کتابوں کے اندر اپنا نام تک ظاہر نہیں کیا مگر کتابیں اُنکی مقبول ومتداول ہیں اور اہل ظاہر بڑے اہتمام سے اپنا نام ظاہر کرتے ہیں مگر اُنکی کتابوں کو کوئی بھی نہیں پوچھتا اسپر ایک لطیفہ یاد آیا ایک شخص نے کسی سے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے تو اسنے نام کو بڑھانا چاہا کہا میرا نام ابوعبداللہ السمیع العلیم الذی یمسک السماء ان تقع علی الارض الاباذنہ تو دوسرے نے ہنسکر کہا مرحبا بک یا ابا النصف القرآن۔ کہ آدھے قرآن کے کنیت والے تو اہل تفاخر کا یہ رنگ ہوتا ہے کہ جسطرح بنتا ہے اپنے کو بڑھاتے ہیں۔ اسی طرح مثنوی میں ایک اور ایسے ہی شخص کی حکایت لکھی ہے کہ وہ غریب تھا مگر اپنے کو بڑا امیر ظاہر کرتا تھا۔ گھر میں ایک چمڑے پر چربی لگا رکھی تھی روزانہ چربی سے مونچھوں کو چکنا کرکے باہر آتا اور لوگوں سے کہتا کہ آج میں نے پلاؤ کھایا ہے آج قورمہ کھایا ہے ایک دن یہ شخص اسی طرح ڈینگے مار رہا تھا

کہ اسکا لڑکا گھر سے بھاگا ہوا آیا اور کہا ابا آج بلی وہ چمڑا لیگئی جس سے تم مونچھوں کو چکنا کرتے تھے۔ بیٹے نے پردہ فاش کیا اور لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ یہ روز جھوٹ بولتا ہے چربی سے مونچھوں کے بال چکنے کرکے پلاؤ قورمہ کھانیکا دعویٰ کرتا ہے۔ غرض اہل تصنع کا تصنع چلتا نہیں ہے کسی دن ضرور بھانڈا پھوٹتا ہے اور بجائے عزت کے لوگوں کی نگاہ میں ذلیل ہوجاتے ہیں۔ اور اہل باطن کی یہ حالت ہے کہ وہ طرح طرح سے اپنے کو گمنام کرنا مٹانا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ انکو اور زیادہ چمکاتے ہیں ؎

نہ کچھ شوخی چلی باد صبا کی بگڑنے میں بھی زلف اسکی بنا کی

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ لباس ایسا پہنتے تھے جس سے کوئی نہ سمجھ سکے کہ یہ عالم ہیں نہ عبا پہنتے تھے نہ چوغہ نہ ململ پہنتے تھے نہ تنزیب بلکہ گاڑھا مارکین آپ کا لباس تھا اور اسی لباس سے آپ بڑے بڑے مجمعوں میں تشریف لیجاتے تھے مگر آپ کے سامنے سارے عبا اور جبے والے دھرے رہجاتے تھے آپ ہی کا نام چمکتا تھا اور کسیکو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا چنانچہ مباحثہ شاہجہانپور میں جو مخالفین اسلام کے مقابلہ میں بڑا عظیم الشان مناظرہ تھا بڑے بڑے عبا قبا والے موجود تھے اور حضرت مولانا اُسی معمولی کرتہ اور لنگی میں تھے مگر جب آپنے تقریر کی ہے تو عوام پر اتنا اثر تھا کہ شاہجہانپور کے ہندو مہاجن اور بنئے یہ کہتے تھے کہ نیلی لنگی والا مولوی جیت گیا ایسی تقریر کی جیسے دریا بہتا ہے کسیکو اسکی بات کا جواب نہیں آیا۔ نیز مولانا کی یہ بھی عادت تھی کہ سفر میں اپنا نام کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے اور ساتھیوں کو بھی ممانعت تھی کہ کسی پر نام ظاہر نہ کریں اور اگر کوئی آپ ہی سے پوچھتا کہ جناب کا نام کیا ہے فرماتے خورشید حسین کیونکہ آپ کا تاریخی نام بھی ہے مگر اس نام سے لوگ واقف نہ تھے اسلئے کوئی نہ سمجھتا کہ مولانا محمد قاسم صاحب یہی ہیں اور اگر کوئی وطن کا نام پوچھتا تو فرماتے الہ آباد۔ نانوتہ کا نام نہ لیتے رفقا نے کہا حضرت آپکا وطن الہ آباد کدھر سے ہوگیا یعنی یہ تو کذب ہے فرمایا کہ نانوتہ بھی تو خدا ہی کا آباد کیا ہوا ہے پس لغۃً ہر بستی الہ آباد ہے یعنی کذب لازم نہ آیا بلکہ توریہ ہوا (دفی المعاریض مندوحۃ عن الکذب ۱۲ ظ)

مگر باوجود اسقدر اخفا کے چھپتے تھوڑا ہی تھے اللہ تعالیٰ انکو پکاتے تھے۔ حضرت اہل اللہ کی عزت اتنی بڑی ہے کہ انکو ظاہری اسباب شہرت وسامان شوکت کی حاجت نہیں رہتی۔ یہ تو وہ کرے جسکو حقیقی عزت حاصل نہ ہو وہ اسباب عزت و سامان شہرت اختیار کیا کرتا ہے متنبی کہتا ہے ؎

حسن الحضارة مجلوب بتطرية وفی البداوة حسن غیر مجلوب

(افدی ظباء فلاة ما عرفن بها مضغ الکلام ولا صبغ الحواجیب

ولا برزن من الحمام مائلة اوراکهن صقیلات العراقیب ۱۲ظ)

کہ شہر والیوں کا حُسن تو بناوٹ سے پیدا ہوتا ہے اور دیہات کی حسینوں کا حُسن فطری ہے جسمیں بناوٹ کا کوئی دخل نہیں پس اصلی حسن تو وہی ہے جو بدون بناوٹ کے حسین معلوم ہو اسلیئے جو لوگ واقعی اہل کمال ہیں وہ سادگی سے رہتے ہیں اس میں کچھ اہل باطن ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ علوم دنیا میں بھی جو کامل ہیں انمیں کمال کی وجہ سے سادگی آجاتی ہے وہ ظاہری آرائش کی پروا نہیں کیا کرتے آپ نے کیمیاگروں کو دیکھا ہوگا کہ کیسے شکستہ حال بنے رہتے ہیں کیونکہ کمال کی مستی خیال ہستی کو کم کردیتی ہے جیسے بارات کا سامان کرنیوالا تمام بارات میں میلا کچیلا ہوتا ہے اور باراتی بڑے بھڑکدار کپڑے پہنکر آتے ہیں بات یہی ہے کہ بارات کے منتظم کو ایک خاص مستی حاصل ہے جسنے اُسکو زینت و آرائش سے مستغنی کردیا ہے پس اگر اہل اللہ کی باطنی حالت باطنی مستی کیوجہ سے شکستہ ہو تو اسپر تعجب نہ کیجئے بلکہ اگر شکستہ نہ ہو تو تعجب کیجئے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ جب اہل اللہ کے انوار کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتے تو خود اللہ تعالیٰ کا نور کیونکر مٹ سکتا ہے پس یہ خدا کی حفاظت ہے کہ قرآن کے اسقدر حفاظ ہر زمانہ میں ہوتے رہتے ہیں کہ اُن کا شمار و احصاء دشوار ہے اسپر بعض لوگ یوں کہدیا کرتے ہیں کہ جب خدا قرآن کا حافظ و نگہبان ہے تو ہمیں اسکے اہتمام کی کیا ضرورت ہے۔ لے صاحبو یہ بات ایسے دل سے نکلی ہے جسمیں خدا سے ذرا بھی علاقہ اور لگاؤ نہیں۔ کیا اگر جارج پنجم آپکو کوئی تحفہ دیں آپ اُسکی

بیقدری کر سکتے ہیں اور خصوصاً انکی نگاہ کے سامنے ہر گز نہیں بلکہ اسکو سر اور آنکھوں پر رکھا جائیگا اور اُسکی جان سے زیادہ حفاظت کیجائیگی اور اگر وہ کوئی تحفہ کھانے کے واسطے آپکو دیں اور اُنکے سامنے آپ اُسے کھائیں تو کیا زمین پر آپ اُسکا کوئی ریزہ گرنے دیں گے ہر گز نہیں بلکہ اسطرح شوق سے کھائیں گے کہ گویا کبھی یہ نعمت آپکو ملی ہی نہ تھی اور اگر اُس میں سے ذرا سا بھی زمین پر گریگا تو فوراً اُٹھا کر سر پر رکھیں گے یہیں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی حقیقت سمجھ لو کہ اگر کھانا کھاتے ہوئے لقمہ زمین پر گر جائے تو اسکو اٹھا کر صاف کر کے کھا لو کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ حق تعالے ہمکو دیکھ رہے ہیں تو انکی نعمت کی اُنکے سامنے بیقدری کرنا بڑی بیحیائی ہے تو صاحبو! خدا تعالی نے آپ کے ہاتھوں میں یہ قرآن دیدیا ہے تو کیا عطیہ حق کی ہمکو قدر نہ کرنا چاہئے کیا ہمکو اسکی حفاظت خود بھی نہ کرنا چاہیئے۔ صاحبو! جب قرآن خدا تعالی نے آپ کے ہاتھوں میں دیدیا ہے تو اب تو یہ آپکا ہو گیا تو کیا اپنی ایسی قیمتی چیز کی جو سلطان السلاطین کے دربار سے ملی ہے آپکو حفاظت نہ کرنا چاہئے یقیناً کرنا چاہئے خصوصاً جبکہ خدا کی مرضی اسکی حفاظت میں ہے اور وہ اسکو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو آپکو بھی مرضی حق پر چلنا چاہئے اسکی حقیقت اولیاء اللہ سے پوچھو ایک بزرگ شاہ دولہ تھے اُنکے بستی کے لوگ انکی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا حضور دریا بستی کی طرف آرہا ہے بستی کے غرق ہونیکا اندیشہ ہے آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالی اُسکی دھار کو دوسری طرف پھیر دیں فرمایا کل صبح کو سب آدمی پھاوڑے لیکر حاضر ہونا ہم اسکا انتظام کر دیں گے چنانچہ لوگ حاضر ہوئے تو آپ سبکو دریا کے پاس لیگئے اور فرمایا کہ بستی کی طرف کو پانی کا راستہ کھودنا شروع کر دو لوگوں نے کہا حضور اسطرح تو دو دن کا پھوٹتا ایک دن میں دریا بستی کے اندر پھونچ جائیگا فرمایا کہ دریا کا رخ بستی کی طرف ہو رہا ہے اور اللہ تعالی کو یہی منظور ہے پس جدہر مولی اُدہر ہی شاہ دولہ تم کھودنا شروع کرو لوگ بزرگوں کے اس زمانہ میں مطیع تھے بستی ہی کی طرف کھودنا شروع کیا تھوڑی سی دیر میں پانی کا رُخ

بدلگیا اور دریا کی دہار دوسری طرف کو جاری ہوگئی بستی سے خطرہ ٹلگیا یہ تو اہل اللہ کی حالت تھی کہ وہ مرضی حق کی کسقدر رعایت کرتے ہیں اب دنیا داروں کی حکایت سنئے کہ وہ حکام کی مرضی کی کس درجہ رعایت کرتے ہیں مجھسے ایک معتبر آدمی نے بیان کیا کہ ایک مقام پر نہر کی پٹری ٹوٹ گئی تھی انگریز انجنیر اسکو درست کرا رہا تھا مگر جتنی مٹی ڈالدیتے سب بہجاتی تھی اور ناکہ بند نہ ہوتا تھا تو وہ انگریز دہانہ پر جا کودا اور لیٹ گیا کہ اب مٹی ڈالو میں نے پانی کا زور کم کر دیا ہے اس کا دہانہ پر لیٹنا تھا کہ بڑے بڑے اہل کار وہاں جا کر لیٹ گئے اور مزدوروں نے مٹی ڈالنا شروع کی ذراسی دیر میں پانی کا زور کم ہوگیا اور دہانہ بند ہوگیا پھر آہستہ آہستہ وہ لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے جو پانی کے زور کی جگہ لیٹے ہوئے تھے تو یہ فطری قاعدہ ہے کہ رعایا حاکم کی مرضی کی طرف بڑھنا چاہتی ہے تو کیا خدا تعالیٰ ایسے سستے ہیں کہ جسطرف اُنکی مرضی ہو اُدہر توجہ نکی جائے مولانا اسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں ؎

اے گراں جاں خوار دیدستی مرا زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا

واللہ خدا تعالیٰ سے تعلق ہمکو بہت کم ہے لوگوں نے صرف وظیفوں اور مقدموں کے لئے خدا تعالیٰ سے تعلق کر رکھا ہے یوں کھتے کہ صرف روٹی کیواسطے خدا سے واسطہ رکھا جاتا ہے اور جب روٹی ملگئی تو اب خدا کی کیا ضرورت ہے اور قرآن کی کیا ضرورت ہے ادسیوقت یہ مستیاں سوجھتی ہیں کہ بدون سمجھے قرآن پڑھنے سے کیا نفع اور جب خدا خود قرآن کا حافظ ہے تو ہمکو اسکی حفاظت کی کیا ضرورت ہے استغفر اللہ العظیم۔ ہمارے قصبہ میں ایک بڑے زمیندار مالدار کا لڑکا نماز پڑھنے لگا اور رمضان میں اعتکاف بھی کرنے لگا ہے اور نماز کے بعد دعا بھی دیر تک کرتا ہے تو اُسکا چچا کھنے لگا کہ سوہرا (سسرا) نماز پڑھکر ہاتھ پھیلا پھیلا کر خدا سے کیا مانگتا ہے اسکے گھر میں کس چیز کی کمی ہے زمین اسکے پاس ہے گھر اسکے پاس ہے بیل گائے بھینس اسکے پاس ہے اور کیا مانگتا ہے۔ مطلب وہی ہے کہ خدا سے تو روٹی کے واسطے تعلق ہے جب روٹی کا سب سامان موجود ہے تو اب خدا سے کیا واسطہ نعوذ باللہ۔ حضرت! اس

جاہل نے تو زبان سے یہ بات کہدی مگر لوگوں کے طرز عمل سے ٹپک رہا ہے کہ عام طور
پر آج کل بھی حالت ہے کہ خدا تعالیٰ سے تعلق بہت کم ہے بس اپنے مطلب کیواسطے
تعلق ہے اور جس کام میں اپنا مطلب کچھ نہ ہو اس میں خدا سے کچھ واسطہ نہیں اور
جب اللہ تعالیٰ کیساتھ یہ برتاؤ ہے تو پھر اگر کسی مخلوق کے ساتھ ایسا برتاؤ ہو کچھ بھی
تعجب نہیں ابھی چندروز کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے ایک رشتہ منظور کر کے توڑ لیا
اور یہ شخص میرا ملنے والا تھا تو میرے نام دوسرے فریق کا خط آیا کہ آپنے اپنے مریدوں
کو بھی تعلیم دی ہے وغیرہ وغیرہ بس یہ حالت ہے کہ اگر اپنا مطلب نکل آیا تو دوسرے
کو غوث اور قطب بنالیں گے اور اپنا مطلب نہ نکلا تو دنیا بھر کی برائیاں اُسکے واسطے تصنیف
کرلیں گے نہ معلوم لوگوں میں سے تہذیب کہاں رخصت ہو گئی بھلا اس عقلمند سے
کوئی پوچھے کہ لڑکا تمہارا لڑکی دوسرے کی بیچ میں مجھے گالیاں دینے کو کیوں رکھا گیا
اور خود لڑکی والیکو بھی برا بھلا کہنے کا اسکو کیا حق تھا کیونکہ اگر کوئی پیام منظور کر کے
توڑ دے تو اس میں اُسنے کونسا جرم کیا تمہارا قرض دبا لیا زمین چھین لی آخر کیا کیا ۲۴
اپنی اولاد کیواسطے ہر شخص بھلائی کا طالب ہوتا ہے ممکن ہے کہ اب اُسکے نزدیک
تمہارا پیام منظور کرنا مصلحت نہ رہا ہو اس میں برا ماننے اور دوسرے کو برا کہنے کی کیا
بات ہے مگر لوگوں سے آجکل تہذیب بالکل رخصت ہو گئی اپنے مطلب کے سامنے
نہ کسی کی آبرو کی کچھ حقیقت سمجھتے ہیں نہ ایذا رسانی کی پروا کرتے ہیں اسکے بعد ابھی ایک
دوسرا خط ایک شخص کا آیا جسمیں کمبخت نے حق تعالیٰ کی شان میں بہت بڑی گستاخی
کی ہے پھر نامعقول پوچھتا ہے کہ میں کافر تو نہیں ہوا۔ کمبخت مردود اب بھی کفر میں شک
کرتا ہے اسلام ایسی سستی چیز ہے کہ تم اسکو دھکے دو اور وہ لپٹا ہی رہے جب
خدا تعالیٰ کے ساتھ لوگوں کے تعلق کا یہ حال ہے تو مجھ ناچیز کے ساتھ اگر کوئی ایسا
کرے تو کیا شکایت کیجائے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسیکو ایک لاکھ روپئے دیدیں تو بس
اللہ میاں سے خوش ہیں اور اللہ میاں شکر کے بھی مستحق ہیں اور تعریف کے بھی
اور اگر ذرا روپیوں میں کسر آجائے تو اللہ میاں نعوذ باللہ نہ شکر کے مستحق ہیں نہ تعریف

کے بلکہ الٹی شکایت اور گستاخی پر اتر آتے ہیں۔ ابھی ہمارے یہاں ایک واقعہ ہوا ہے
کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اُسکے ورثہ میں ایک بیوی تھی ایک بیٹی اور ایک عصبہ جو ذرا
دور کا تھا اور جس سے مرنیوالیکی ورثہ کی مخالفت تھی جب فرائض نکلوائے گئے تو
مولویوں نے اُس عصبہ کا حصہ بھی لکھا بس اسپر سارے ورثہ فتوی کو اور مفتی کو بُرا
بھلا کہنے لگے کہ یہ بھی کوئی بات ہے کہ اتنے دور کے رشتہ دار کو وارث بنایا جائے
میں نے کہا کہ شریعت کی قدر کوئی اس عصبہ کے دل سے پوچھے جسکو خلاف امید رقم
ملگئی اگر تم شریعت کو بُرا کہوگے تو جسکے پاس رقم جائیگی وہ اچھا کہے گا ظالمو! اگر تمکو
کسی ایسی جگہہ سے شریعت میراث دلوا دے جہاں سے تمکو امید وہم بھی نہ ہو تو پھر
اسوقت تم ہی شریعت کی تعریف کرنے لگوگے۔ الغرض خدا کے ساتھ مال اور
روٹی کے تعلق ہے یہ مل جائے تو اللہ میاں سب کچھ ہیں ورنہ نعوذ باللہ کچھ بھی نہیں
ایک اور خط آیا ہے اُس میں لکھا ہے کہ ایک عورت کا انتقال ہوگیا شوہر اور بھائی
وارث ہیں مگر شوہر شیعی ہے اور شیعی کا نکاح سنیہ سے جائز نہیں اسلئے تنہا میں ہی ۲۵
وارث ہوں یعنی بھائی۔ تو میں نے اسپر لکھا کہ سوال کی ساتھ یہ بھی تو لکھا ہوتا کہ میری
بھن نے بیسیوں سال تک حرام کرایا اور میں اسپر راضی رہا تمکو شرم نہیں آتی کہ چار پیسوں
کیواسطے اپنی بھن کو بعد مرنیکے زانیہ بنانے اور اپنے کو دیوث قرار دینے لگے جب تم کو
معلوم تھا کہ شیعی سے سنیہ کا نکاح جائز نہیں تو تمنے اپنی بھن کا نکاح جان بوجھکر
شیعی سے کیا ہی کیوں تھا پھر میں نے لکھا کہ اگر نکاح سے پہلے مجھسے مسئلہ پوچھتے تو میں
نکاح کو ناجائز ہی کہتا باقی اب تو میں تمہارے چار پیسے سیدھے کرنے کے لئے ایک
مسلمان عورت کو زانیہ نہیں بنا سکتا۔ اسیطرح ہمارے قصبہ میں ایک شخص فرائض
لکھوانے آیا جب فرائض لکھدی گئی تو وہ پوچھتا ہے کہ میرا کتنا حق ہے جب معلوم ہوا
کہ میرا کچھ حق نہیں تو وہ فرائض کو مدرسہ ہی میں چھوڑ کر چلدیا واقعی اکثر لوگ
اسی واسطے فرائض لکھواتے ہیں کہ ہمکو کچھ ملجائے اور اگر یہ کہدیا جائے کہ تمکو کچھ نہ
ملیگا تو فرائض کا نام بھی نہ لیں حکم شرعی معلوم کرنا تھوڑا ہی مقصود ہے صرف اپنی

غرض مطلوب ہے۔ صاحبو! اسکا نام تعلق نہیں اگر خدا تعالیٰ سے تعلق ہوتا تو یہ باتیں نہ ہوتیں۔ کسی مُردار حسین سے کسیکو محبت ہو جاتی ہے تو یہ حالت ہوتی ہے کہ اپنا جان و مال سب اُسپر قربان کر دیتے ہیں اور اسکی کسی بات سے ناگواری نہیں ہوتی بلکہ یوں کہتے ہیں ؎

ناخوش تو خوش بود بر جانِ من　　دل فدائے یارِ دل رنجانِ من

درد از یار ست و درمان نیز ہم　　دل فدائے او شد و جان نیز ہم

اور یوں کہتے ہیں ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو　　دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

صاحبو! محبت کا سبب کمال و جمال و نوال ہے اور یہ سب باتیں حق تعالیٰ شانہ کے اندر کامل طور پر موجود ہیں اُنسے بھی اگر محبت نہ ہو تو پھر کس سے ہوگی خبر بھی ہے خدا تعالیٰ کون ہیں تمام حسن و جمال کے مبدا و منتہا ہیں تو جب خدا تعالیٰ ایسے محبوب ہیں تو ہمکو انکی مرضی کی رعایت کرنا چاہئے اور خدا تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ قرآن محفوظ رہے تو آپکو اسکی طرف جھکنا چاہئے اور اُسکے الفاظ کا پورا اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ الفاظ و معانی دونوں قابل اہتمام ہیں مگر الفاظ میں اتنی بات زیادہ ہے کہ معانی کی حفاظت الفاظ کی حفاظت پر موقوف ہے کیونکہ معانی کا ضبط بدون الفاظ کے نہیں ہو سکتا دیکھئے سب سے پہلے معانی قرآن کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر ہوا ہے مگر وہاں بھی بواسطہ الفاظ کے ہوا ہے اور حضور کو الفاظ کا اسقدر اہتمام تھا کہ جب وحی نازل ہوتی تو آپ جبریل علیہ السلام کی ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے حالانکہ حضور کا حافظہ بہت قوی تھا بلکہ سادے قویٰ مضبوط تھے کہ تریسٹھ ۶۳ سال کی عمر میں بھی آپ کے بال کچھ ہی سفید ہوئے تھے جو بیس ۲۰ سے زیادہ نہ تھے باوجودیکہ حضور پر افکار سب سے زیادہ تھے کیونکہ جس قوم میں آپنے تبلیغ اسلام شروع کی ہے وہ سب کی سب جاہل تھی اور شریعت کے نام سے بھی واقف نہ تھی آپنے تنہا اس قوم میں توحید و اسلام کی دعوت شروع کی ابتداء میں سب کے سب آپکے مخالف

ہو گئے اور دو چار کے سوا کوئی موافق نہوا خیال کر لیجئے کہ ایسی حالت میں تنہا آدمی کو
کتنے بڑے فکر کا سامنا ہوتا ہے خصوصًا جبکہ وہ شفیق و مہربان بھی ہو اور اپنی قوم کی
اصلاح کا دل سے طالب ہو اسکو ایسی جاہل قوم کی اصلاح کی تدابیر سوچنے میں کتنے
بڑے فکر کا سامنا ہوا ہوگا جسپر تو اللہ تعالی جا بجا آپکو فرماتے ہیں لست علیہم بمسیطر
ولست علیہم بوکیل ولا تسئل عن اصحاب الجحیم۔ اور لعلک باخع نفسک الا یکونوا
مومنین۔ کہ کیا آپ اُنکے فکر میں اپنی جان کو ہلاک کر دیں گے کہ یہ ایمان نہیں لاتے
اور کبھی فرماتے ہیں کہ آپ انپر مسلط کر کے نہیں بھیجے گئے آپ سے اُنکے متعلق یہ
سوال نہ ہوگا کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے بس آپ کے ذمہ صرف تبلیغ کر دینا
ہے ان علیک الا البلاغ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو قوم کا بڑا غم تھا
اور سب سے بڑھکر غم آخرت کا تھا جسکو وہی سمجھ سکتا ہے جسکو فکر آخرت کا کچھ ذوق
حاصل ہوا ہو حدیث میں اسکے متعلق یوں آیا ہے کہ کان دائم الفکرۃ متواصل الاحزان
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ متفکر اور غمگین سے رہتے تھے ہر وقت ایک دُھن سی آپکو
لگی رہتی تھی اور خود حضور کا ارشاد ہے واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم
کثیرا ولخرجتم الی الصعدات تجئرون۔ بخدا اگر تمکو وہ امور معلوم ہو جاتے جو
مجھے معلوم ہیں (یعنی احوال آخرت) تو تم بہت کم ہنسا کرتے اور زیادہ رویا کرتے اور چیختے ہوئے
جنگلوں کیطرف نکلجاتے باوجود افکار عظیمہ کے پھر بھی آپکے بال بیس سے زیادہ سفید
نہوئے تھے جو تمام قوی کے مضبوط ہونیکی دلیل ہے جسپر واقعات کثیرہ شاہد
ہیں چنانچہ حضرات صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سب سے زیادہ بہادر وہ شمار ہوتا تھا
جو جنگ میں حضور کے پاس رہتا کیونکہ آپ دشمن کی طرف سب سے آگے بڑھے رہا کرتے
تھے نیز عرب میں ابو رکانہ مشہور پہلوان تھے انھوں نے حضور سے عرض کیا کہ
میں تو آپکی نبوت کا جب قائل ہوں کہ آپ کشتی میں مجھے زیر کر دیں دگو اس بات کو
نبوت میں دخل نہ تھا مگر آپنے اسی طرح انکی تسلی کر دینا چاہی ۱۲) چنانچہ کشتی ہوئی اور
حضور نے انکو پٹک دیا کہنے لگے یہ تو اتفاقی بات ہو گئی دوبارہ پھر کشتی ہو

حضور نے دوسری بار پھر انکو پٹک دیا[عہ] اور وہ اسلام لے آئے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ حضور کی قوت کو اچھی طرح ظاہر کرتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ اُس مکان پر پہونچے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے اصحاب کے مخفی تھے اور حضرت عمر نے کواڑ کھلوانے چاہے تو کواڑ کی درزوں سے اُنکی صورت دیکھکر حضرات صحابہ ڈر گئے اور کہا یا رسول اللہ یہ عمر تلوار ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں اور کواڑ کھلوانا چاہتے ہیں ہمکو ان کے خطرہ ہے[عہ] حضور نے فرمایا تم کواڑ کھولدو وہ کیا کرلیں گے اگر اچھی نیت سے آئے ہیں تو خوشی کی بات ہے اور بُرے ارادہ سے آئے ہیں تو اپنی سزا کو پہونچکر رہیں گے چنانچہ کواڑ کھولے گئے اور جب حضرت عمر حضور کے قریب پہونچے تو آپنے اُنکی چادر کا کونہ پکڑکر نہایت زور سے جھٹکا دیا اور فرمایا اے عمر کیا تیری بھلائی کے دن نہیں آئے تو کب تک اللہ و رسول کا مقابلہ کرتا رہیگا۔ اس سے آپکو حضور کی قوت کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ جس شخص سے اتنے آدمی ڈرتے اور کواڑ کھولنے میں تامل کرتے تھے اُسکی آپنے کچھ بھی پروا نہ کی اور اسطرح دھمکایا جیسے معمولی آدمی کو دھمکالیا کرتے ہیں اور سیرت ابن ہشام میں ایک واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُنسے تنہا ملنے کا اور نہایت بیفکری سے انکو دھمکا دینے کا مذکور ہے اور حضور کی قوت کا تو کیا پوچھنا آجکل سے تو اُس زمانہ کے سب ہی لوگ قوی تھے حضرات صحابہ کا حافظہ بھی ہم لوگوں سے زیادہ قوی تھا پھر حضور کا تو سب ہی سے زیادہ قوی تھا لیکن باینہمہ حضور کو الفاظ قرآن کا اس درجہ اہتمام تھا کہ فرشتہ کے ساتھ قرآن کو پڑھتے جاتے تھے کیونکہ ہ

باسایہ ترا نمی پسندم | عشق ست و ہزار بد گمانی

آپکو ان محبوب الفاظ کے نکلنے کا اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی لفظ میری یاد سے نکل نہ جائے اسلئے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے اس سے اندازہ کیجئے کہ حضور کو الفاظ قرآن سے کس درجہ عشق تھا یہانتک کہ حق تعالیٰ کے منع کرنیکی نوبت آئی آپ ساتھ ساتھ پڑھنے

عہ فی تاریخ الخلفاء فوثب علیہ عمر فوطئہ وطأ شدیدا ۱۲ فرجم بالحاصل

عہ کذا فی سیرۃ ابن ہشام ۱۲

کی مشقت برداشت نہ کیا کریں لا تحرك به لسانك لتعجل به ہم ذمہ لیتے ہیں کہ قرآن کو آپ کے دل پر جما دینگے اس تسلی کے بعد حضور فرشتہ کیساتھ نہیں پڑھتے تھے۔ جب حضور کو الفاظ قرآن کا اس درجہ اہتمام تھا تو ہمکو بھی ان کا اہتمام کرنا چاہیئے کیونکہ بدون الفاظ کے معانی کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ لهذا معانی کی نگہبانی یہی ہے کہ الفاظ کو یاد کیا جائے حضرات سلف صالحین نے تو قرآن کے نقوش اور رسم خط کی بھی یہانتک حفاظت کی ہے کہ رسم خط قرآن میں مستقل رسائل تصنیف کئے اور اسکو ایک علیحدہ فن قرار دیا ہے اور اس میں تغیر و تبدل کو ناجائز فرمایا ہے۔ صاحبو! آجکل تو یادگار قدیم کی اسقدر حفاظت کی جاتی ہے کہ اُسکے تغیر کے بعد بھی اوسکا فوٹو لیا جاتا ہے تو خدانخواستہ اگر رسم خط قدیم متغیر بھی ہو تا جب بھی یادگار قدیم ہونیکی وجہ سے اُسکی حفاظت ضروری تھی چہ جائیکہ وہ بالکل محفوظ صحیح ہے بلکہ اُس میں نکات ہیں چنانچہ ایک جگہ بقادر میں الف نہیں لکھا گیا کیونکہ وہاں دوسری قرارت یقدر ہے تو صحابہ نے اس جگہ بقادر میں الف نہیں لکھا تاکہ دوسری قرارت پر بھی رسم خط دال رہے۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ میں مالك یوم الدین میں الف نہیں لکھا کیونکہ ایک قراءت میں ملك ہے پس رسم خط قرآن میں اسکا بہت لحاظ کیا گیا ہے کہ سب قراءتوں کو جامع رہے اسلئے اسکا بدلنا حرام ہے۔ صاحبو! جب قرآن کی ہر چیز کی حفاظت کیگئی ہے اور یہ مسلمانوں کیلئے بڑا فخر ہے کہ اُنکی برابر کسی قوم اور کسی امت نے آسمانی کتاب کی حفاظت نہیں کی تو آپکو بھی اسکی ہر چیز کی ویسی ہی حفاظت کرنا چاہیئے جیسا کہ اب تک امت نے کی ہے اور یہ مت کھو کہ خدا تو اسکا خود نگہبان ہے پھر ہمکو کیا ضرورت ہے کیونکہ اوسکی محافظت کی یہ بھی ایک صورت ہے کہ اسکی محافظت کا حکم اپنے بندوں کو دیدیا اور یہ ان کا احسان ہے اور انعام ہے کہ اُسنے یہ خدمت ہمسے لیلی اگر تم یہ کام نہ کروگے تو اللہ تعالی کسی دوسری قوم سے یہ کام لیلیں گے چاہے چھوڑ کر دیکھ لو تمہاری تان گاڑی نہیں چل رہی اللہ تعالی کو تو ہمارے پیدا کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی یہ بھی اُن کا انعام محض ہے کہ ہمکو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا اور پیدا کرنے سے پہلے ملائکہ سے فرمایا انی جاعل فی الارض خلیفة کہ میں زمین کے اندر اپنا

خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں کس قدر عنایت ہے کہ ؂

ما نبودیم و تقاضا ما نبود　　لطف تو ناگفتۂ ما می شنود

ہمارے پیدا ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے ہمکو خلیفۃ اللہ کا خطاب دیا تو کیا خلافت کا یہی حق ہے جو ہم ادا کر رہے ہیں کہ زبان پر یہ بات آرہی ہے کہ خدا قرآن کا خود نگہبان ہے ہمکو کیا ضرورت ہے خدا تعالےٰ کی عنایت تو دیکھئے کہ ہمکو ایسی حالت میں خلیفہ بنایا کہ دوسرے لوگ اس منصب کے طالب موجود تھے ملائکہ نے اسوقت جبکہ اللہ تعالےٰ نے انی جاعل فی الارض خلیفۃ فرمایا۔ یہ عرض کیا تھا کہ ہمارے ہوتے ہوئے انسان کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے قرآن میں ملائکہ کا یہ سوال اور اسکا جواب مفصل مذکور ہے میں اسوقت اسکی تفصیل بیان کرنا نہیں چاہتا صرف یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کو ہماری ضرورت نہ تھی بلکہ جس کام کے لئے ہمکو پیدا کیا گیا ہے اسکے انجام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق اپنی خدمات کو پیش کرنے والی موجود تھی مگر اللہ تعالیٰ کا یہ ہمارے حال پر غایت کرم ہے کہ دوسری جماعت کے ہوتے ہوئے پھر بھی ہمکو منصب خلافت عطا کیا اور ہمکو اس خدمت کیلئے پیدا کیا اسیطرح　خدمت قرآن کے لئے بھی خدا تعالےٰ کو ہماری کیا ضرورت ہو سکتی ہے اگر ہم خدمت دین میں کوتاہی کریں گے تو دوسری قوم کو اسکی خدمت کے لئے پیدا کر دیں گے چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس خیال کا بھی جواب صاف صاف دیا ہے وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔ اگر دین سے اعراض کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے عوض تمہاری جگہ دوسری قوم کو کر دیگا پھر وہ تمہاری طرح (سست و کاہل اور دین سے جان چرانے والے) نہ ہونگے

صاحبو! تمہاری تان گاڑی نہیں چل رہی تم آج چھوڑ کر دیکھ لو گاڑی ویسی ہی چلتی رہیگی۔ ہاں تم خود ہی گر پڑوگے۔ اللہ تعالیٰ اس دین کی خدمت اور قرآن کی حفاظت کے لئے ایسی قومیں پیدا کر دیں گے جو تمہارے جیسی نہ ہونگی۔ صاحبو! میں آپکو خبردار و بیدار کرنا چاہتا ہوں کہ جلدی سنبھلو۔ کہیں اس وعید کا ظہور نہ ہو جائے کیونکہ

مجھے اسکے آثار نظر آرہے ہیں۔ اسوقت میں ایک خوفناک منظر دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں کی تحریریں تو کفر آمیز شائع ہوتی ہیں اور اہل یورپ کی تحریریں اسلام کی مدح میں شائع ہو رہی ہیں گویا بعضے مسلمان کفر کی طرف بڑھ رہے ہیں اور بعض کفار اسلام کی طرف تو اس حالت کو دیکھکر مجھکو سخت اندیشہ ہوتا ہے کہ جب دونوں جماعتیں سرحد پر پہونچ چکے ہونگے تو ایسا نہ ہو کہ وہ تو کفر سے نکلکر مسلمان ہو جائیں اور یہ اسلام سے نکلکر کافر ہو جائیں۔ صاحبو! دوسری قوموں کو اسلام کی مدح و ثناء کی طرف مائل کر کے حق تعالیٰ ہمکو متنبہ فرما رہے ہیں کہ یہ مت سمجھنا کہ خدا کو یا اسلام کو تمہاری ضرورت ہے بلکہ تم ہی کو اسلام کی ضرورت ہے وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔ اگر تم اعراض کروگے تو ہم تمہاری جگہ دوسری قوم کو کر دیں گے جو اسوقت باوجود کفر کے اسلام کی مدح کر رہی ہے اور تم انکی جگہ ہو جاؤگے کہ باوجود اسلام کے اسلام کی توہین کرتے ہو۔ اور اگر تم اعراض نہ کرو بلکہ بدستور اسلام کی خدمت انجام دیتے رہو اس صورت میں تم بھی مسلمان رہوگے اور شاید دوسری قومیں بھی مسلمان ہو جائیں اور اسلام کی خدمت یا قرآن کی حفاظت جو کچھ آپ کرتے ہیں یہ محض برائے نام ہے جس سے صرف آپکا نام ہو جاتا ہے ورنہ اب بھی قرآن کے محافظ دراصل حق تعالیٰ ہی ہیں۔ تم اپنے حفظ پر کیا ناز کرتے ہو ذرا کافیہ یا اور کوئی نظم و نثر کی کتاب تو حفظ کر لو آپکو اسیوقت اپنے حفظ کی حقیقت معلوم ہو جائیگی۔ یہ خدا تعالیٰ ہی کی تو حفاظت ہے کہ قرآن جیسی ضخیم کتاب کا حفظ کرنا ایسا آسان کر دیا ہے کہ بچے تک حفظ کر لیتے ہیں حالانکہ قرآن میں متشابہات بھی کثرت سے ہیں اس بات پر نظر کرکے یہی کہنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا محض نام کرنا مقصود ہے کہ وہ ہمکو حافظان قرآن کی فہرست میں داخل کرکے انعام دینا چاہتے ہیں ورنہ اصل حافظ و محافظ وہی ہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں ۔۔۔ مصلحت را تہمتے بر آہوئے چین بستہ اند

واللہ اس انعام پر جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر فرمایا ہے یوں کہنا چاہئے ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل ۔۔۔ نسیم صبح تیری مہربانی

اور عارفین کی نظر تو اس سے بھی آگے بڑھتی ہے عارفین تو جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو انکو یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ ہم خود نہیں پڑھ رہے بلکہ ارگن باجہ کی طرح بول رہے ہیں جسمیں کسی اور کا کلام بند کیا گیا ہے اور باجہ سے وہی نکلتا ہے جو اوس میں بند کیا گیا ہے مگر ظاہر بیں یہ سمجھتا ہے کہ باجہ بول رہا ہے یا وہ اسوقت مثل شجرۂ طور کے ہوتے ہیں کہ ظاہر میں درخت یہ کہہ رہا تھا یاموسی انی انا اللہ رب العلمین مگر درخت کی کیا مجال تھی کہ وہ خود اس طرح بولتا بلکہ کوئی دوسرا بول رہا تھا اور درخت محض اُس کا ناقل وحاکی تھا ؎

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں　　کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

ایک عارف اسکو فرماتے ہیں ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　انچہ استاد ازل گفت بگو میگویم

عارفین کو جب اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے تو کچھ نہ پوچھیے کہ تلاوت قرآن کے وقت اُن کی کیا حالت ہوتی ہے اور تلاوت قرآن میں تو اس حالت کا غلبہ ایک خاص ۳۲
وجہ سے زائد ہوجاتا ہے کہ قرآن میں اللہ تعالی صاف صاف اپنی شوکت وعظمت و جلال کو ظاہر فرماتے ہیں کہیں عتاب ہے کہیں شکایت ہے کہیں تسلی ہے کہیں بشارت ہے کہیں تکلم ہے کہیں خطاب ہے ورنہ ایک تلاوت قرآن ہی کیا انسان کے تو سارے ہی افعال ایسے ہیں کہ اُن میں انسان محض برائے نام فاعل ہے ورنہ اصل کو کرنے والے وہی ہیں یہ کیا ناز کرتا ہے اپنے علم وکمال پر کہ میں نے یہ کام کیا میں نے فلاں مسئلہ کو حل کیا واللہ اسکی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص دوسرے کے کھیت پر دعوی کرے کہ یہ کھیتی میری ہے مگر ساتھ میں یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ زمین بھی دوسرے کی اور بیج اور بیل بھی دوسرے کا اُسی نے اسکو پانی دیا کھاد ڈالا اور کھیت کو پرورش کیا ہی ظاہر ہے کہ ہر شخص اس مدعی کو احمق بنائیگا کہ جب ساری چیز دوسرے کی ہے تو کھیتی تیری کدھر سے ہوئی صاحبو! اگر اس حماقت میں ہم سب مبتلا ہیں کیونکہ جس دماغ اور جن ہاتھ پیروں سے ہم کام کرتے ہیں ہر ایک کو اقرار ہے کہ یہ سب سامان

خدا تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہے عقل و فہم اور قوت ارادہ اور قوت عمل بھی انھی کی دی ہوئی ہے اب فرمائیے کہ ان سب قوی اور جوارح سے جو افعال و کمالات ظاہر ہونگے وہ ہمارے کدھر سے ہو گئے ؎

نیاوردم از خانہ چیزے نخست | تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

حیرت ہے اگر ہم اب بھی یہ دعویٰ کریں کہ ہم خود قرآن کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب ہمارا پڑھنا اور یاد کرنا ہمارے قبضہ کا نہیں تو ہم حفاظت کرنے والے کون ہیں بلکہ وہی محافظ ہیں جنہوں نے ہمسے یہ کام لیا اور اُسکے اسباب عطا کیے اور حفاظت کا تو اُدھر سے ہونا بہت ہی ظاہر ہے حقیقت میں تو ہمارا پڑھنا اور تلاوت کرنا بھی اُدھر ہی سے ہے اگر اُدھر سے توفیق نہو تو کسی کی مجال نہیں کہ ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے۔ کانپور کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے جمائی لی تھی اُسکے بعد منھ بند نہ ہوا کھلا کا کھلا رہگیا۔ بڑی مصیبت ہوئی نہ کھانیکا رہا نہ بات کرنیکا پھر بڑی دقت سے کئی دن میں منھ بند ہوا۔ شاید کوئی سمجھے کہ دوا دارو سے منھ بند تو ہو گیا یہ کام تو انسان کی تدبیر سے ہوا میں کہتا ہوں کہ اس میں بھی تدبیر کا محض نام ہی ہے خدا کو منظور نہ ہوتا تو قیامت تک منھ بند نہ ہو سکتا۔ آخر اسکی کیا وجہ ہے کہ بعض دفعہ تمام اطبا اور ڈاکٹر عاجز ہو جاتے ہیں اور بیمار کو شفا نہیں ہوتی بلکہ جوں جوں دوا کرتے ہیں مرض کو ترقی ہی ہوتی ہے اور یہ حال ہوتا ہے کہ ؎

از قضا سرکنگبیں صفرا فزود | روغن بادام خشکی می نمود

ہر تدبیر اُلٹا کام کرتی ہے اور جس دوا کو تریاق سمجھا جاتا ہے وہی زہر کا اثر پیدا کرتی ہے۔ اگر شفا طبیبوں ڈاکٹروں کے قبضہ میں ہے تو ان کے بیوی بچے تو ہمیشہ مرض کے بعد ضرور صحت یاب ہو جایا کریں کیونکہ اس موقع پر طبیب و ڈاکٹر کبھی تدبیر میں کمی نہیں کر سکتا مگر مشاہدہ اسکے خلاف ہے بس مجبوراً ماننا پڑیگا کہ ؎

درد از یارست و درماں نیز ہم | دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

ہرچہ میگویند آں بہتر ز حسن | یار ما ایں دارد و آں نیز ہم

ابتو آپکو معلوم ہو گیا ہو گا کہ قرآن پڑھنا بھی مستقلاً ہمارا کام نہیں اُسکے محافظ تو ہم
کیا ہوتے تو اب یہ محض حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ وہ ہمارا نام ہی کرنا چاہتے ہیں ورنہ
دراصل سب تصرفات وہ خود کرتے ہیں۔ اگر اب بھی اس انعام کی طرف رغبت نہ
ہو تو سخت محرومی کی علامت ہے یہ مضمون درمیان میں استطراداً آگیا اس امر پر تنبیہ
کرنے کے لئے کہ قرآن کی حفاظت جو آپ کے سپرد کیگئی ہے تو آپ اسپر ناز نہ کریں
خدا کو آپکی ضرورت نہیں بلکہ آپ ہی کو خدا کی ضرورت ہے اب میں پھر مقصود کی
طرف عود کرتا ہوں کہ یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ بدون معنے کے سمجھے قرآن پڑھنے سے
کیا فائدہ کیونکہ ایک فائدہ تو یہی ہے کہ معانی کی حفاظت بدون الفاظ کے نہیں
ہو سکتی اور حفظ معانی کی ضرورت آپکو بھی مسلم ہے یہ جواب تو سائنس وعقل کے
موافق ہے اور آجکل عقل وسائنس کی پرستش زیادہ ہے اسلئے یہ جواب تو تعلیم یافتہ
جماعت پر زیادہ حجت ہے اور ایک جواب نقلی ہے جو دینداروں پر حجت ہے جو نقل
کے سامنے عقل کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
کہ قرآن کے ہر لفظ پر دس نیکیاں ملتی ہیں جسنے ایک بار زبان سے الحمد کہا
اُسکے نامۂ اعمال میں اُسیوقت پچاس نیکیاں لکھی گئیں۔ شاید عقل پرستوں کو یہ
جواب پھیکا معلوم ہوا ہو گا۔ مگر صاحبو! حقیقت میں یہ بڑا قیمتی نفع ہے جسکی قدر مرنے
کے بعد معلوم ہوگی جبکہ نیکیوں ہی کی پوچھ ہو گی اور اسکے سوا تمام چیزیں ردی ثابت
ہونگی اسکی ایسی مثال ہے جیسے کسی کے پاس سکہ کے ہلالے اور مجیدیاں بہت سی جمع
ہوں اور ہندوستان والے اس کا مضحکہ اڑائیں کہ اس سکہ کو جمع کرنے سے تجھے
کیا نفع وہ اسکے جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ابھی تو کچھ نفع نہیں معلوم ہوتا لیکن ایک
خاص دن میں معلوم ہو جائیگا پھر یہ شخص اور اس کا مضحکہ اڑانے والے دونوں
حج کو جائیں تو وہاں پہونچکر معاملہ برعکس ہو گا کہ اب وہ شخص جسکے پاس ہلالے
اور مجیدیاں جمع تھیں ان لوگوں کا مضحکہ اڑائیگا جنکے پاس ہندوستان کے
تانبہ کے پیسے بہت ہیں مگر مکہ کا سکہ کچھ نہیں تھا اور اب یہ لوگ اُسکے سامنے

شرمندہ ہونگے۔ صاحبو! اسیطرح ایک اور عالم آنے والا ہے جسکے بازار میں
آپ کے ان سکوں کی کچھ قدر نہیں جو آپ آج کل جمع کر رہے ہیں نہ وہاں روپیہ
کی قدر ہے نہ اشرفی کی نہ انٹرنس کی قدر ہے نہ بی لے کی نہ ایل ایل بی کی نہ
سی ایس آئی کی وہاں کا سکہ یہی نیکیاں ہیں جنکی آپ اسوقت بیقدری کر رہے
ہیں پس قرآن کے الفاظ کا دوسرا نفع یہ ہے کہ یہ آخرت کا سکہ ہے جسکی ایک
ایک سورت سے آخرت کے بے شمار خزانے جمع ہو جاتے ہیں جب آپ وہاں
جاکر دیکھیں گے کہ ایک سورۂ فاتحہ اور قل ہو اللہ سے اتنا بے شمار ثواب مل گیا
تو بے ساختہ یوں کہیں گے ؎

خود کہ یابد ایں چنین بازار را ۔۔۔ کہ بیک گل می خری گلزار را

مگر ابھی اسواسطے قدر نہیں کہ یہ بازار اس سکہ کا نہیں ہے یہاں یہ سکہ رائج نہیں
لیکن آخر آپ مسلمان ہیں اور آخرت و قیامت کے آنے کا اعتقاد رکھتے ہیں پھر
اس نفع کی بے قدری کس لئے ہے واللہ وہاں جاکر آپ افسوس کرینگے کہ ہائے
ہمنے رات دن قرآن کی تلاوت کیوں نہ کی جو آج مالا مال ہو جاتے اور اسوقت
اپنے ان عذروں اور بہانوں پر افسوس ہو گا جو آجکل تحصیل قرآن میں کئے جاتے
ہیں مجھے دیندار طبقہ کی بھی شکایت ہے کہ یہ طبقہ بھی تلاوت قرآن کا پوری طرح
اہتمام نہیں کرتا۔ بعضے یہ عذر کرتے ہیں کہ ہمکو فرصت نہیں ملتی طلبہ اور مدرسین کو زیادہ
تر یہی عذر ہے مگر یہ محض لغو ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ دوستوں سے باتیں
کرنے میں بہت وقت ضائع کر دیتے ہیں اسوقت انکو کہاں سے فرصت مل جاتی ہے
پھر افسوس ہے کہ تلاوت قرآن کے لئے تھوڑا سا وقت نہیں دیا جاتا ؎

قلق از سوزش پروانہ داری ۔۔۔ و لے از سوز ما پروانہ داری

دوستوں کے راضی کرنے کا تو اتنا اہتمام اور خدا کے راضی کرنے کا مطلق اہتمام نہیں
بتلائیے اگر خدا تعالیٰ آخرت میں یہ سوال فرمائیں کہ تجھے فلاں دن فلاں دوست
سے ایک گھنٹہ تک باتیں بنائیں مجھسے آدھ گھنٹہ بھی باتیں نہ کیں تو اس کا کیا

جواب دوگے۔ بس سچا جواب تو یہ ہوگا کہ یوں کہدو کہ ہمکو معاذ اللہ خدا سے محبت
نہیں۔ اگر یہ کہدو تو پھر ہم آپ سے خطاب ہی نہ کریں لیکن آپ یہ کبھی نہیں کہہ سکتے
کیونکہ آپکو خدا تعالی سے محبت ہے اسلئے کہ آپ مومن ہیں اور مومن کی شان یہ ہے
والذین امنوا اشد حبا للہ (کہ جو لوگ ایمان دار ہیں انکو اللہ تعالی سے بہت
زیادہ محبت ہے ۱۲) بس آپکو اللہ تعالی سے ضرور محبت ہے اور ایسی محبت ہے کہ کسی
سے بھی اتنی محبت نہیں۔ بعض لوگوں کو شاید اس میں یہ خلجان ہو کہ ہمکو تو بظاہر
اپنی اولاد اور بیوی کے ساتھ محبت زیادہ معلوم ہوتی ہے مگر یہ خیال صحیح نہیں
اولاد اور بیوی کے ساتھ طبعی محبت ہے عقلی محبت نہیں اور طبعی محبت تو جانوروں
کو بھی اپنی اولاد وغیرہ سے ہوتی ہے یہ کچھ کمال نہیں اور نہ خدا رسول کے ساتھ
ایسی محبت مامور بہا ہے بلکہ محبت عقلیہ مامور بہا ہے جسکا منشا محبوب کا کمال ہوتا
ہے سو یہ محبت اللہ و رسول کے ساتھ زیادہ ہے اور کسی کی ساتھ انکی برابر نہیں کیونکہ
اللہ تعالی کی برابر صاحب کمال کوئی نہیں اور خدا تعالی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی برابر کوئی صاحب کمال نہیں اسلئے آپکے ساتھ بھی یقیناً بہ نسبت سب کے زیادہ محبت ہے
زیادہ محبت ہے مگر عقلی ہے اور اگر غور کر کے دیکھا جائے تو طبعی محبت بھی مسلمانوں
کو اللہ و رسول ہی سے زیادہ ہے اور کسیکی ساتھ اتنی محبت نہیں مگر اس کا ظہور
کسی محرک کیوقت پر ہوتا ہے چنانچہ ایک قصہ سے یہ حقیقت واضح ہو جائیگی ہماری
اطراف میں ایک بزرگ مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذرے ہیں جو
تقوی کے اندر ہمارے اکابر میں مسلم و ممتاز تھے وہ ایک بار موضع گڑھی پختہ میں
تشریف لیگئے وہاں کے رئیس نے مولانا سے سوال کیا کہ حدیث میں آیا ہے
لا یومن احدکم حتی یکون اللہ و رسولہ احب الیہ من نفسہ ومالہ و
ولدہ اجمعین کہ تم میں سے کوئی شخص اسوقت تک مومن نہ ہوگا جب تک اللہ
و رسول اسکی جان و مال و اولاد وغیرہ سب سے زیادہ اسکو محبوب نہ ہو جائیں مگر
میں دیکھتا ہوں کہ مجھے بیٹے والد صاحب سے محبت زیادہ ہے مولانے اسوقت

تو اسکا ایک مناسب جواب دیدیا پھر یہ چاہا کہ ان کے اس شبہ کو عملی طور پر دفع کر دیا جائے تو زیادہ اطمینان کا باعث ہوگا چنانچہ آپنے عملی طور پر اس کا جواب اس طرح دیا کہ تھوڑی دیر میں باتوں باتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ شروع کیا حضور کا ذکر ایسا ہے جس میں ہر مسلمان کو لطف آتا ہے سب لوگ شوق سے سننے لگے اور وہ رئیس بھی بہت مزے لے لیکر سن رہے تھے جب مولانا نے دیکھا کہ رئیس صاحب کو حضور کے تذکرہ میں بہت مزہ آرہا ہے تو درمیان میں حضور کا ذکر قطع کر کے فرمانے لگے کہ اچھا خانصاحب اس ذکر کو تو رہنے دیجئے اب میں کچھ آپ کے والد ماجد کے کمالات و مناقب بیان کرتا ہوں کہ وہ بھی بڑے اچھے آدمی تھے وہ رئیس بولے حضرت توبہ توبہ یہ آپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں میرے والد صاحب کا تذکرہ کہاں سے ٹھونسدیا۔ نہیں نہیں آپ حضور ہی کا تذکرہ کیجئے میرے والد کے کمالات کو حضور سے کیا نسبت جو آپ درمیان میں خواہ مخواہ اُن کا ذکر کرنے لگے میرے قلب کو اس سے بہت گرانی ہوئی۔ مولانا نے ہنسکر فرمایا کیوں خانصاحب تم تو یہ کہتے تھے کہ مجھے اپنے والد کیساتھ محبت زیادہ معلوم ہوتی ہے پھر حضور کے تذکرہ میں والد صاحب کا تذکرہ گراں کیوں ہوا۔ خانصاحب سمجھ گئے کہ مولانا نے میرے شبہ کا عملی جواب دیا ہے کہنے لگے مولانا جزاک اللہ اب میرا شبہ جاتا رہا اور معلوم ہوگیا کہ الحمد للہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ایسی محبت ہے کہ والد کی محبت کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی　　　مرا با جان جاں ہمراز کردی

تو صاحبو! موازنہ کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ واقعی اللہ و رسول کے برابر مسلمان کو کسی سے بھی محبت نہیں اور موازنہ ہوتا ہے کسی محرک کے پائے جانے پر مثلاً فرض کرو کہ ایک شخص تمہارے ماں باپ کو گالی دے اور ایک شخص اللہ و رسول کی شان میں (معاذ اللہ) گستاخی کرے تو بتلاؤ تمکو کس پر غصہ زیادہ

آئیگا۔ یقیناً جس نے اللہ ورسول کی شان میں گستاخی کی ہے اسپر زیادہ غصہ آئیگا اور تم آپے سے باہر ہو کر اسکی زبان نکالنے پر آمادہ ہو جاؤ گے۔ جب ہر مسلمان کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنی ذلت اور ماں باپ کی ذلت کو گوارا کر سکتا ہے مگر اللہ ورسول کی شان میں ذرا سی گستاخی کا تحمل نہیں کر سکتا تو اب مطمئن رہو کہ بحمد اللہ تمکو طبعی محبت بھی اللہ ورسول ہی سے زیادہ ہے مگر اس کا ظہور کسی محرک کے پائے جانے پر ہوتا ہے اور جب آپکو اللہ ورسول سے محبت زیادہ ہے تو اب اسکے کیا معنی کہ بدون سمجھے قرآن پڑھنے سے کیا فائدہ۔ صاحبو! اگر کوئی محبوب ایک مہمل زبان تصنیف کر کے عاشق سے اُس میں باتیں کرے تو عاشق اگر سچا عاشق ہے تو یقیناً اسکی قدر کریگا اور وہ مہمل زبان ہی اُسکی نظر میں فصیح زبان سے زیادہ پیاری ہوگی کیونکہ محبوب کی زبان ہے اور قرآن تو مہمل بھی نہیں بلکہ نہایت فصیح و بلیغ عجیب و غریب شیریں زبان ہے جو لوگ سمجھتے ہیں وہ تو اسکی فصاحت و بلاغت اور شیرینی کو سمجھتے ہی ہیں مگر جو نہیں سمجھتے اُنکو بھی اس میں بہت مزہ آتا ہے تجربہ کر کے دیکھ لو اور جو لوگ تلاوت قرآن کے عادی ہیں وہ اس کا خوب تجربہ کئے ہوئے ہیں اور اگر کسی وقت کوئی خوش الحان قاری ملجائے تو ذرا اُس سے قرآن سنکر دیکھو تو کہ بدون معنے سمجھے تمکو مزا آتا ہے یا نہیں واللہ بعض دفعہ نہ سمجھنے والوں کو بھی ایسا مزا آتا ہے کہ دل پھٹ جاتا ہے بس قرآن کی یہ حالت ہے ؂

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ می دارد
برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن پڑھنا گویا اللہ تعالےٰ سے باتیں کرنا ہے پھر حیرت ہے کہ آپ عاشق ہوکر اپنے محبوب سے باتیں کرنا نہیں چاہتے حالانکہ محبت وہ چیز ہے کہ عاشق طرح طرح سے اسکے بہانے ڈہونڈا کرتا ہے کہ محبوب سے باتیں کرنیکا موقعہ ملے۔ حضرت سید موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے سوال ہوا تھا و ما تلک

میں ہوگا ہر آیت میں قریب قریب بار بار خدا کا نام آتا ہے اور جابجا خدا کی حمد و
ثنا اسطرح کیگئی ہے کہ اُس سے زیادہ کوئی کر نہیں سکتا اور گو ذکر اللہ کے اور
طریقے بھی ہیں مگر نماز اور تلاوت قرآن سے زیادہ کوئی طریقہ بہتر نہیں حدیث سے
یہ بات تصریح کے ساتھ ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے الفاظ
کا اس قدر عشق تھا کہ آپ خود تلاوت کرتے ہی تھے ایک دفعہ آپنے حضرت عبداللہ
بن مسعود رضہ سے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ انھوں نے عرض کیا اعلیک اقرأ و
علیک انزل (او کما قال) کیا حضور کو میں سناؤں حالانکہ آپ ہی پر تو قرآن اترا
ہے فرمایا ہاں میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں - آخر حضور نے صحابی سے
یہ درخواست کیوں کی حالانکہ سارا قرآن آپکو حفظ تھا اور اسکے معانی بھی آپ کے
ذہن میں حاضر تھے صرف اسی لئے کہ قرآن کے الفاظ سے آپکو عشق تھا اور دوسرے
کی زبان سے سننے میں بوجہ یکسوئی کے مزا زیادہ آتا ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ
صرف الفاظ قرآن بھی بدون لحاظ معنے کے مطلوب و مقصود ہیں - صاحبو اس سے ۴۰
بڑھکر الفاظ قرآن کا نفع اور کیا ہوگا کہ اللہ تعالی قرآن پڑھنے والے کی قراءت کی
طرف بہت توجہ فرماتے اور نہایت توجہ سے سنتے ہیں اب غور کر لیجئے کہ اگر کسی عاشق
کو کسی مخبر سے یہ معلوم ہو جائے کہ محبوب تیرا گانا سن رہی ہے تو بتلائیے وہ کیسے
مزے لیکر گائے گا اور کس طرح بنا سنوار کر پڑھے گا بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے افضل اور اصدق کون مخبر ہوگا سو حضور نے ہمکو خبر دی ہے کہ حق تعالے
قرآن پڑھنے والے پر بہت متوجہ ہوتے اور نہایت توجہ سے اُسکی قراءت سنتے
ہیں - اس سے بھی الفاظ کا مقصود ہونا ظاہر ہے کیونکہ قراءت اور استماع الفاظ
ہی کے متعلق ہے نہ کہ معانی کے اور یہانسے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمکو قرآن پڑھتے ہوئے
اس امر کا استحضار کرنا چاہئیے کہ حق تعالی ہماری قراءت کو سن رہے ہیں اس مراقبہ
کا اثر یہ ہوگا کہ نہایت احتیاط اور اہتمام کے ساتھ صحت کا لحاظ کرکے قراءت کی
جائیگی اور بے پروائی کے ساتھ نہ پڑھا جائیگا - دوسرے اچھا میں نے مانا کہ

معانی ہی اصل مقصود ہیں مگر میں یہ کبھی نہ مانوں گا کہ معانی ہر وقت مقصود ہوتے ہیں بلکہ ایک وقت ایسا بھی ضرور ہونا چاہیئے جسمیں صرف الفاظ ہی مدنظر ہوں۔ اور معانی پر التفات نہو جیسا کہ ریاضی میں پہاڑے یاد کئے جاتے ہیں اسوقت مقصود پر اصلا نظر نہیں ہوتی بلکہ صرف الفاظ ہی کو رٹا جاتا ہے اور جیسے کہانا کہانے سے۔۔۔۔ مقصود قوت ہے مگر کہانے کیوقت لذت پر نظر ہوتی ہے صورت پر بھی نظر ہوتی ہے کہ روٹی جلی ہوئی سیاہ نہو سالن میں نمک مرچ بہت تیز یا کم نہو اسوقت کوئی یہ نہیں کہتا کہ مقصود تو قوت ہے صورت اور لذت پر نظر کرنا بے فائدہ ہے افسوس دنیا کی چیزوں میں تو صورت اور لذت پر نظر ہو اور قرآن میں یہ امور بیفائدہ ہو جائیں حیرت ہے اور تلاوت قرآن میں لذت اسیوقت حاصل ہوتی ہے جبکہ تلاوت کے وقت معانی پر توجہ نہو صرف الفاظ ہی پر توجہ ہو۔ کیونکہ وہ۔۔۔۔ مراقبہ جو ابھی بیان ہوا ہے کہ تلاوت کیوقت اپنے کو پڑھنے والا سمجھے۔ بلکہ حق تعالے کو متکلم سمجھے اور اپنے کو مثل شجرۂ طور کے حاکی اور ناقل سمجھے یہ مراقبہ صرف الفاظ ہی پر توجہ کرنے میں حاصل ہو سکتا ہے معانی پر توجہ کے ساتھ یہ مراقبہ نہیں ہو سکتا چاہے تجربہ کر کے دیکھ لو۔ اسی طرح یہ مراقبہ بھی کہ اللہ تعالیٰ ہماری تلاوت کو سُن رہے ہیں صرف توجہ علی الالفاظ سے حاصل ہوتا ہے۔ بدون اسکے نہیں ہو سکتا پھر الفاظ بدون فہم معانی کے بیکار کیوں ہوئے۔ صاحبو! دریا کی سطح کی سیر میں جو لذت ہے وہ سیر عمق میں نہیں ہے گو سیر عمق سے موتی ہاتھ لگتے ہیں جو سطح کی سیر سے حاصل نہیں ہوتے مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ سطح دریا کی سیر بیکار ہے ہرگز نہیں اطباء سے پوچھو وہ سطح دریا کی سیر کو فرحت بخش بتلاتے۔۔۔۔ اور کہتے ہیں کہ اس سے دل ودماغ کو سرور اور نگاہ کو تازگی و نور حاصل ہوتی ہے چنانچہ مدقوق کے لئے سیر دریا اسی واسطے تجویز کیجاتی ہے کہ اسکو فرحت ہو۔ اور فرحت سے طبیعت کو قوت حاصل ہو جس سے مرض کو وہ از خود دفع کر دے۔ تو کیا سطح دریا کی سیر کو تو بیکار نہ کہا جاوے اور سطح قرآن کی سیر کو بیکار کہا جاوے

کتنا بڑا ستم ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ اصل مقصود تمام طاعات سے قرب حق ہے حق تعالی کے یہانسے اولاً الفاظ آئے ہیں اور معانی اونکے تابع ہو کر آئے ہیں پس الفاظ کو اللہ تعالی سے قرب زیادہ ہوا۔ اگر یہ الفاظ قران بے معنے بھی ہوتے تو عاشق کے لئے بھی کافی تھے کیونکہ محبوب اگر عاشق کو کوئی چیز دے تو وہاں دو لذتیں ہیں ایک لذت محبوب کے ہاتھ سے ملنے کی۔ دوسری لذت اُس چیز کے کہانے کی اور ظاہر ہے کہ عاشق کے رقص کے لئے تو بھی لذت کافی ہے کہ اسکو محبوب کے ہاتھ سے یہ چیز ملی ہے چنانچہ بعض دفعہ اس چیز کو صرف بھی نہیں کیا جاتا بلکہ محبوب کی یادگار سمجھکر بطور تبرک کے رکھ لیا جاتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک قیراط زیادہ دیا تھا انھوں نے اسکو خرچ نہیں کیا بلکہ اسکو ہمیشہ اپنے پاس ہی رکھا پس عشاق کے لئے تو الفاظ قرآن ہی رقص کیواسطے کافی تھے کیونکہ وہ اللہ تعالی کی طرف سے اولاً و بالذات ہمکو ملے ہیں گو انمیں معانی بھی نہوتے مگر معانی کے ساتھ دو لذتیں جمع ہو گئیں تو اب یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ لذت معانی سے لذت الفاظ کو چھوڑ دیا جائے بلکہ دونوں لذتیں قابل لحاظ ہیں اور الفاظ کی لذت اس جہت سے زیادہ قابل لحاظ ہے کہ وہ اللہ تعالی کی طرف سے اولاً آئے ہیں گویا باعتبار قصد کے معانی اصل ہیں اور الفاظ اُنکے تابع غرض بعض جہات سے الفاظ کو زیادہ قرب ہے اور بعض جہات سے معانی کو زیادہ قرب ہے اور کوئی ایک دوسرے سے مغنی نہیں۔ یہ میں نے اسلئے کہدیا کہ کہیں حفاظ خوش نہوں کہ ہم سب سے افضل ہو گئے کیونکہ الفاظ کو اللہ تعالی سے قرب زیادہ ہے تو وہ ایک طرفہ فیصلہ کر کے خوش نہوں میں ایک طرفہ فیصلہ کر کے ڈگری نہیں دیتا بلکہ دونوں جماعتوں کے لئے فیصلہ کرتا ہوں کہ بعض جہات سے اہل الفاظ افضل ہیں اور بعض جہات سے اہل معانی اور قرآن کی دونوں چیزیں قابل اہتمام ہیں صورت بھی اور معنی بھی کیونکہ ہر چیز کی طرف صورت و معنی دونوں ہی کی وجہ سے رغبت ہوتی ہے صورت کو کوئی بیکار نہیں کہسکتا۔ دیکھئے کالپی کی

مصری شیرینی میں تو یہاں کی بجری کے برابر ہے مگر صورت اور صفائی کیوجہ سے
لوگ اسکو منگاتے ہیں کیونکہ صورت خوش دیکھکر کسی چیز کا کھانا عجیب لطف دیتا
ہے اسی طرح کپڑوں میں ایک صورت ہے ایک معنی۔ مقصود تو ستر عورت ہے
اور گرمی و سردی سے بچنا اس میں ہر قسم کا کپڑا یکساں ہے اور ایک صورت ہے
یعنی کپڑے کی باریکی نزاکت اور نقش و نگار وغیرہ ظاہر ہے کہ صورت محض بیکار نہیں
بلکہ اسکے لئے بھی بڑی کوشش کیجاتی ہے اور دیکھئے عورت کی ایک صورت ہے
ایک معنی۔ معنی تو ہمبستری اور خانہ داری کا کام لینا ہے اس مقصود کے لئے ہر
عاقل بالغ عورت کافی ہے اور ایک صورت ہے کہ رنگ بھی اجلا ہو ناک نقشہ بھی
خوبصورت ہو خاندان کی بھی بڑی ہو اگر صورت بیکار ہے تو یہاں صورت پر کیوں
مرتے ہو اور کیوں اسکے لئے خاک چھانی جاتی ہے۔ اسی طرح ادویہ میں بہت
چیزیں ایسی ہیں جو باہم یکساں خاصیت رکھتی ہیں مگر بعض ادویہ کو صورت نوعیہ
کی وجہ سے اختیار کیا جاتا ہے کیونکہ دوائیں بعض موثر بالخاصہ بھی ہوتی ہیں جیسے
تعلیق کھربا خفقان کو نافع ہے تو ایسی ادویہ صورت نوعیہ کی وجہ سے مؤثر ہوتی
ہیں یہاں صورت کا لحاظ کیوں کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بہت سے الفاظ باہم
متحد المعانی ہوتے ہیں مگر صورت کیوجہ سے اُن میں بڑا فرق ہو جاتا ہے اسلئے
بعض الفاظ القاب و آداب میں اپنی صورت کیوجہ سے مطلوب ہوتے ہیں اگر
انکی جگہ وہ کے الفاظ انہی کے ہم معنے بولے جائیں تو سخت حماقت قرار دیجاتی ہے
مثلاً کوئی باپ کو برخوردار نور چشم لکھے تو پاگل شمار ہوگا حالانکہ اسکے معنے کچھ بھی
بڑے نہیں۔ برخوردار یعنے دائم ظلہم کے ہے کہ ہمیشہ دنیا سے پھل کھاتے رہیں
یا صاحب نصیب ہوں اور نور چشم کے معنے ہیں آنکھ کی روشنی تو باپ تو آنکھ
اور کان سب ہی کا وسیلہ ہے یہ آنکھ کی روشنی بھی اولاد کو باپ ہی سے ملی ہے
تو معنے تو برے نہیں مگر الفاظ کی صورت کی وجہ سے کاتب کو احمق اور پاگل
بنایا جاتا ہے معلوم ہوا کہ یہ دعوی غلط ہے کہ معنی ہی ہمیشہ مطلوب ہوتے ہیں۔

اور الفاظ مطلوب نہیں ہوتے اس سے بڑھکر اور سنئے انسان کی ایک صورت ہے اور ایک معنی چنانچہ معنے انسان روح انسانی ہے جسکی بدولت آدمی گدھے کتوں سے ممتاز ہے۔ تو اگر یہ دعوی مان لیا جائے کہ صورت محض بیکار ہے تو ان مدعیوں کو چاہیئے کہ اپنی اولاد کا گلا گھونٹ دیا کریں کیونکہ یہ تو محض صورت ہے۔ اسکی کیا ضرورت ہے بلکہ مقصود تو معنے ہے یعنی روح اور وہ گلا گھونٹنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے کیونکہ موت سے ارواح فنا نہیں ہوتیں تو کیا اسکو کوئی عاقل گوارا کرسکتا ہے ہرگز نہیں معلوم ہوا کہ معنی کی طرح صورت بھی مطلوب ہے۔ پھر قرآن ہی میں اس کے خلاف یہ نیا قاعدہ کیوں جاری کیا جاتا ہے کہ اسکی صورت یعنی الفاظ بدون معنے کے بیکار ہے۔ الحمد للہ میں نے مختلف وجوہ سے سے مسئلہ کو ثابت کردیا کہ الفاظ قرآن بدون فہم معنے کے بھی مطلوب ہیں اور انکا پڑھنا ہرگز بیکار نہیں اب یہ دعوی بالکل باطل ہوگیا کہ بدون معنے کے الفاظ پڑھنے سے کیا فائدہ اس خیال کے لوگوں نے ایک قرآن صرف اردو ترجمہ کی صورت میں بدون متن قرآن کے شائع کیا ہے خوب سن لیجئے کہ اس کا خریدنا حرام و ناجائز ہے کیونکہ اسکا منشا وہی ہے کہ یہ لوگ الفاظ قرآن کو بیکار سمجھتے ہیں دوسرے اس میں بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر یہ صورت شائع ہوگئی تو اندیشہ ہے کہ کبھی یہود و نصاری کی طرح مسلمانوں کے پاس بھی قرآن کا ترجمہ ہی رہجائے اور اصل غائب ہو جائے جیسا کہ تورات و انجیل کے تراجم ہی آجکل دنیا میں رہ گئے ہیں اور اصلی کتاب معدوم ہوگئی پھر ترجمہ کے اندر ہر شخص کو آسانی سے تحریف کا موقع مل جائیگا۔ اور جب اصل قرآن بھی ترجمہ کے ساتھ ہوگا تو کسی کی تحریف چل نہیں سکتی کیونکہ اس سے ہر شخص ترجمہ کا مقابلہ کرکے اسکی صحت وخطا کا موازنہ کرسکے گا۔ اسی خیال کے بعض لوگوں نے ایک زمانہ میں یہ حرکت بھی شروع کی تھی کہ نماز کے اندر قرآن کا اردو ترجمہ پڑھنے لگے تھے اور دلیل وہی تھی کہ بے سمجھے قرآن پڑھنے سے کیا نفع ہے۔ اسکے چند جواب عقلی اور نقلی میں اوپر دے چکا ہوں اور ایک جواب سر سید احمد خاں

نے دیا ہے جسکو مجھسے مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی نے نقل کیا ہے اور وہ اس خیال کی جماعت پر زیادہ حجت ہوگا کیونکہ وہ جواب اُنھی کے ہمجنس کا اور اُن کے مذاق کے موافق ہے اوسکا حاصل یہ ہے کہ بعض خاصیتیں قرآن مجید کے الفاظ کی ہیں اور بعض خاصیتیں اوسکے معانی کی۔ معانی کی خاصیت تو یہ ہے کہ انکو سمجھکر پڑھنے سے قرآن کا مطلب معلوم ہوگا اور الفاظ کی خاصیت متکلم کی عظمت وشوکت وصولت کا استحضار ہے اور یہ صرف قرآن ہی کے الفاظ کے ساتھ خاص ہے دوسری کسی زبان کو خواہ اُس میں کیسا ہی فصیح و بلیغ ترجمہ کردیا جائے ہرگز نصیب نہیں ہوسکتی اور عبادت سے مقصود معبود کی عظمت دل میں پیدا کرنا ہے ور افعال جوارح سے اُس عظمت کا ظاہر کرنا نہ کہ استحضار قصص وواقعات پس جو لوگ اردو ترجمہ سے نماز پڑھیں گے اُنکے دل میں خدا کی وہ عظمت نماز کے اندر پیدا نہ ہوگی جو الفاظ قرآن کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے دل میں ہوتی ہے کیونکہ وہ لوگ نماز میں ایسی زبان میں قرآن پڑھیں گے جو بندوں کی ایجاد ہے جو یقیناً اصلی کلام الٰہی کی برابر باعظمت وشوکت نہ ہوگی۔ نیز ان لوگوں کو نماز میں یکسوئی بھی حاصل نہ ہوگی کیونکہ یکسوئی کے لئے استحضار عظمت ضروری ہے اور ترجمہ سے اُس درجہ استحضار عظمت نہ ہوگا جو اصل قرآنی الفاظ سے ہوتا ہے غرض محبت وعشق کے لحاظ سے بھی اور نقل عقل کے اعتبار سے بھی اور تمدن وسیاست کے لحاظ سے بھی الفاظ قرآنیہ کا اہتمام کا نہایت ضروری ہونا ثابت ہوگیا۔ پس مسلمانوں کو تعلیم قرآن اور تلاوت قرآن کا پابندی کے ساتھ اہتمام کرنا چاہئے اور جب الفاظ قرآن مقصود ہوگئے تو انکے صحیح پڑھنے کا بھی اہتمام ضروری ہے کیونکہ جب تک الفاظ کو صحیح طور پر ادا نہ کیا جائیگا اسوقت تک وہ عربی زبان نہ کہلائیگی اور تصحیح الفاظ کے بعد اگر عربی لہجہ[ع] بھی حاصل کرلیا جائے تو نور علیٰ نور ہے چنانچہ آجکل انگریزی میں بڑا قابل وہ شمار ہوتا ہے جسکا لہجہ بھی انگریزوں سے ملتا جلتا ہو اور انگریزی لب ولہجہ حاصل کرنے کی بڑی کوشش

ع اس سے تکلف وتغنی کا لہجہ مراد نہیں بلکہ بے تکلف لہجہ جس میں صفات ومخارج کی پوری رعایت ہو گو بلا قصد طبیعت کی موزونیت

کیجاتی ہے کہ بعض لوگ تو اسی غرض سے اپنے بچوں کو میموں ہی کے ہاتھ سے پلواتے ہیں تاکہ بچپن ہی سے انگریزی لہجہ بمنزلہ فطری ہو جائے حالانکہ لب و لہجہ پر ڈگری ملنا موقوف نہیں اور سارٹیفکٹ بغیر اسکے بھی مل سکتا ہے صرف حسن کلام اور زیادہ مدح و ثناء کے لئے اس میں کوشش کی جاتی ہے پھر دین میں اسکو بیکار و فضول کیوں کہا جاتا ہے مجھے بعض پڑھے لکھوں پر تعجب ہے کہ وہ قرات میں لہجہ کے مخالف ہیں اور اسکو فضول ولایعنی بتلاتے ہیں حالانکہ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ہر زبان کا ایک خاص لب و لہجہ ہوتا ہے فارسی کا لہجہ الگ ہے انگریزی کا جدا بنگلہ کا جدا اردو کا علیحدہ اور ہر زبان میں لہجہ کی قدر ہے پھر حیرت ہے کہ عربی میں لہجہ کی قدر نہو اور یہاں اسکو فضول قرار دیا جائے یہ سب باتیں قلت محبت سے ناشی ہیں اگر محبت ہوتی تو قرآن کے اندر بھی لب و لہجہ عربی کی عظمت ہوتی اور اسکی کوشش کیجاتی کہ قرآن کو اس طرح پڑہیں جسطرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے بعض لوگ اس میں کلام کرتے ہیں کہ تجوید کی ضرورت کس دلیل سے ہے اسکا جواب فقہ و حدیث سے تو ہے ہی جن میں اسکے وجوب عہ و استحباب کے دلائل بالاستیعاب مذکور ہیں مگر میں اس کا جواب ایک نئے طریقہ سے دیتا ہوں وہ یہ کہ ہماری زبان میں جھاڑو کے اندر ہا کا اخفا ہے اب اگر کوئی شخص جھاڑو بفتح ہا کہے تو اہل زبان اس شخص کو بیوقوف بنائیں گے اور کہیں گے کہ ہندوستانی نہیں بلکہ بنگالی معلوم ہوتا ہے ایسے ہی پنکھا۔ گنگا۔ سنگ۔ زنگ وغیرہ میں نون کو اخفا سے ادا کیا جاتا ہے اگر کوئی شخص نون کو ظاہر کرکے پڑھے یعنی پن کہا۔ اور گن گا اور سن گ اور زن گ کہے تو سب اسکو احمق اور غلط خوان کہیں گے۔ اسی طرح بعض الفاظ کے ادا کا عربی میں خاص طریقہ ہے مثلاً ان کان میں نون کا اخفاء ہے اگر یہاں نون کو ظاہر کیا جائیگا غلط ہوگا مگر لوگ اسکی طرف توجہ نہیں کرتے اور اسکو تنخ سمجھتے ہیں

عہ یعنی الکہ بقدر قرات کا واجب ہے اور وہ حرف کی تصحیح اور مخارج سے صحیح ادا کرنا ہے دوسرا درجہ مستحب ہے کہ صفات الفاظ و لہجہ ادا بھی حاصل کیا جائے اعلاء السنن کے کتاب القراءۃ میں قرآن و حدیث و فقہ سے اسکے لزوم پر کافی بحث کیگئی ہے قابل مطالعہ ہے ۱۲ ظ

مگر میں سختی کے ساتھ کہتا ہوں کہ شرعاً علم قرأت کی تحصیل ضروری ہے پس اسکو اعتقاداً
تو ضروری واجب سمجھو پھر جسکا جی چاہے عمل بھی کرے اگر عمل نہ کریگا تو محض گناہ ہی ہوگا
اعتقاد تو سلامت رہیگا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر قرأت نہ آئے تو قرآن کی تعلیم
ہی حاصل نہ کیجائے نہیں بلکہ اگر قاری میسر نہ ہو قرآن کو اول بلا قرأت ہی پڑھ لو
پھر جب کوئی قاری ملجائے اس سے تصحیح حروف بھی کرلو اسپر بعض لوگ کہا کرتے ہیں
کہ بوڑھے طوطے اب کیا پڑہیں گے میں کہتا ہوں کہ اگر آج ہی سرکار کی طرف سے
اعلان ہو جائے کہ جو شخص قانون کی کتاب یاد کرے گا اسکو سو روپئے یا ہزار روپیہ
کا انعام ملے گا تو یہ سب بوڑھے طوطے آج ہی پوتے بنجائیں گے اور قانون یاد
کرنے لگیں گے مگر افسوس خدا کے یہاں کے انعام و ثواب کی قدر نہیں حالانکہ بعد
کوشش کے ناکامی کے بعد خدا کے یہاں سے ثواب زیادہ ملتا ہے دنیا میں تو
ناکامی کے بعد کچھ بھی نہیں ملتا اگر کوئی شخص سرکاری تعلیم حاصل کرے اور امتحان
میں اسکو ناکامی ہو جائے تو اسکی ساری محنت اکارت جاتی ہے مگر خدا کے یہاں یہ
قاعدہ نہیں بلکہ وہاں یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص کوشش میں لگ جائے وہ کامیاب
ہی ہوتا ہے خواہ ظاہر میں کوشش کا نتیجہ حاصل ہو یا نہ ہو مثلاً آپ تصحیح قرآن کے
اسباب اختیار کرلیں اور کسی قاری سے حروف کی مشق شروع کریں اگر حروف صحیح
ہوگئے تب تو کامیابی ظاہر ہے اگر صحیح بھی نہ ہوئے اور قاری نے کہدیا کہ تمسے اسکی
امید نہیں تمہاری زبان درست نہ ہوگی تو اسوقت ظاہر میں آپ ناکام ہیں مگر خدا
کے یہاں کامیاب ہیں اللہ تعالے آپکو وہی ثواب دیں گے جو صحیح پڑھنے والوں
کو دیا جائیگا حدیث میں ہے الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة
والذی یتعتع به وهو علیه شاق فله اجران (او كما قال) یعنی جو شخص قرآن
پڑھنے میں ماہر ہے وہ تو ملائکہ کے ساتھ ہے اور جو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور
قرآن کا پڑھنا اسکو دشوار ہے اسکے لئے دوہرا ثواب ہے کیونکہ یہ قرأت بھی
کر رہا ہے اور مجاہدہ بھی کر رہا ہے تو اسکو قرأت کا ثواب الگ ملے گا اور

مشقت ومجاہدہ کا ثواب الگ۔ سبحان اللہ کیسی قدردان سرکار ہے مگر لینے والا بھی کوئی ہو مولانا ایسی ہی ناکامی کو فرماتے ہیں ؎

بس زبون وسوسہ باشی دلا — گر طرب را باز دانی از بلا

گر مرادت را مذاق شکر ست — بیمرادی نے مراد دلبر ست

یعنی جب تک تم کامیابی اور ناکامی میں فرق کرتے ہو اسوقت تم وسوسۂ نفس سے مغلوب ہو بلکہ اس طریق میں اصل مقصود کوشش اور طلب ہے اسکے بعد اگر ظاہر میں بھی کامیابی ہو جائے تو نفس کا مطلوب بھی حاصل ہو گیا اور اگر ظاہر میں ناکامی ہو تو وہ اسوقت حضرت حق کا مطلوب ہے۔ اب حیرت ہے کہ تم اپنے مطلوب کو محبوب کے مطلوب پر ترجیح دیتے ہو مطلب یہ ہے کہ تمکو تفویض کے ساتھ طلب میں مشغول ہونا چاہئے اور ہر نتیجہ پر راضی رہنا چاہئے خواہ نتیجہ اپنی مراد کے موافق ہو یا خلاف ہو۔ بس یہاں تو بڑا مطلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھ لیں کہ ہم
۸ انکی طلب میں مشغول ہیں اور یہ مدعیٰ ہر حالت میں حاصل ہے۔ مولانا غلام رسول صاحب کانپوری جو رسول نما کے لقب سے مشہور ہیں کیونکہ انکی یہ کرامت تھی کہ وہ ہر شخص کو بیداری میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا دیا کرتے تھے انکا قصہ ہے کہ جب وہ اپنے مرشد کے پاس بغرض بیعت حاضر ہوئے تو شیخ نے فرمایا کہ پہلے استخارہ کرو اُسکے بعد آؤ۔ یہ وہاں سے اٹھکر مسجد میں تھوڑی دیر بیٹھکر جلدی ہی حاضر خدمت ہو گئے۔ شیخ نے فرمایا کہ استخارہ کر لیا۔ کہا جی ہاں کر لیا فرمایا تم تو بہت جلدی آ گئے تمنے کس طرح استخارہ کیا تھا۔ کہا میں نے اپنے نفس سے پوچھا کہ تو کسلئے بیعت ہونا چاہتا ہے اُسنے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ ملیگا۔ میں نے کہا کہ بیعت کے بعد تجھے اپنی جان ومال پر کچھ اختیار نہ رہے گا بلکہ جو شیخ کہے گا وہی کرنا پڑیگا۔ میرے نفس نے جواب دیا کہ کچھ پرواہ نہیں خدا تو ملیگا میں نے پھر یہ کہا کہ اگر خدا بھی نہ ملا تو کیا ہو گا نفس نے جواب دیا کہ بلا سے نہ ملا اللہ تعالیٰ کو یہ تو معلوم ہو جائیگا کہ میں نے انکو طلب کیا تھا بس مجھے یہی کافی ہے ؎

ہمینم بس کہ داند ماہرویم | کہ من نیز از خریداران اویم

شیخ نے فرمایا کہ تمہارا استخارہ سب سے بڑھا ہوا ہے آؤ بیعت ہو جاؤ تم انشاء اللہ ناکام نہ ہوگے۔ صاحبو! طلب اس کا نام ہے کہ صرف طالبوں میں داخل ہونے ہی کو کافی سمجھے اسی کا نام طلب صادق ہے اور جسکو ایسی طلب ہو وہ انشاء اللہ کامیاب ہی ہوتا ہے مگر افسوس آجکل لوگوں میں طلب ہی نہیں۔ چنانچہ ایک عالم طالبعلم نے میری طرف ذکر و شغل کے لئے رجوع کیا تھا اب میرے پاس اُن کا خط آیا ہے کہ ہمنے بہت محنت کی اب تک ہمارا مقصود حاصل نہیں ہوا تو آپ مجھکو یہ بتلادیں کہ مجھ میں اس مقصود کے حاصل ہونیکی استعداد ہے یا نہیں اگر استعداد ہو تو ہم محنت کریں نہیں تو ہمنے دنیا کی عیش کو بھی کیوں ترک کیا اور کچھ کریں۔ میں نے جواب میں لکھا کہ آپ کا خط نہایت گستاخانہ آیا جس سے معلوم ہوا کہ آپکے دل میں خدا تعالیٰ کی طلب اور عظمت نہیں ہے آپنے ایسی بات لکھی ہے جو ایک مُردار رنڈی کا عاشق بھی رنڈی سے نہیں لکھسکتا کہ بی اگر آپکے وصال کی امید ہو تب تو میں آپکی رضا و عشق میں کوشش کردں ۹
اور اگر وصال کی اُمید نہو تو مجھے اطلاع کردو تاکہ میں تمہارے عشق کو چھوڑ کر دوسرے کام میں لگوں۔ اور اگر کوئی آپ جیسا مدعی عشق کسی رنڈی سے یہ بات کہے تو غور کر لیجئے وہ کیا جواب دیگی۔ یقیناً یہ کہے گی کہ نامعقول میں نے کب تیری خوشامد کی تھی کہ تو مجھسے عشق بازی کر جو میں اسکے انجام کی تجھے خبر کردوں اور وعدے کروں۔ اگر تجھے عشق کا تحمل نہیں تو عاشق ہونیکا دعوی ہی کیوں کیا تھا جا اپنا کام کر۔ مولانا آپکو ابتک طلب ہی حاصل نہیں تو مطلوب کیونکر حاصل ہو۔ طلب تو وہ چیز ہے کہ دل کے اندر پیوستہ ہو جائے جو کسی کے نکالے نہ نکل سکے اگر عاشق خود بھی اُسکو نکالنا چاہے تو نکالنے پر قادر نہیں ہوتا شاعر کہتا ہے

عذل العواذل حول قلبی التائہ | وھوی الاحبۃ منہ فی سودائہ

اور جب آپ طلب کو دنیوی عیش و راحت حاصل کرنے کیلئے چھوڑ سکتے ہیں تو یقیناً آپ کے دل میں طلب نہیں بلکہ محض نام ہی نام ہے عشق وہ چیز ہے کہ اگر عاشق کو یقین

ہو جائے کہ اس میں میری جان جاتی رہیگی اور وصال سے پہلے ہی مرجاؤں گا جب بھی وہ عشق کو نہیں چھوڑ سکتا اور یوں کہے گا ؎

گر نہ شاید بدوست رہ بردن
شرط عشق ست در طلب مردن

عاشق موت سے کبھی نہیں ڈرتا ہاں اُسکو یہ تمنا ہوتی ہے کہ محبوب بھی دیکھ لے کہ یہ میری محبت میں جان دے رہا ہے تاکہ اسوقت محبوب سے خطاب کرکے یوں کہہ سکے

بجرم عشق توام می کشند و غوغائیست
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

واللہ! عاشق کے لئے محبوب کے نظر کے سامنے اُسکی محبت میں جان دیدینا بھی بڑی کامیابی ہے اور حق تعالیٰ کا ہمکو اور ہماری محبت کو دیکھنا اور جاننا یقینی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اسکو لوگ کامیابی نہیں سمجھتے۔ میرے جواب کے بعد اُن عالم صاحب کا دوسرا خط آیا کہ ابتو مجھے صاف ہی کہنا پڑا اگر اجازت ہو تو صاف صاف لکھوں میں نے جواب دیا کہ میری اجازت نہیں ہے کیونکہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم بدفہم شخص ہو نہ معلوم صاف کہنے پر آؤگے تو کیا گل کھلاؤگے تمہارے اجمال نے تو میرے دلکو اتنا زخمی کیا ہے جسکو میں ہی جانتا ہوں تفصیل سے نہ معلوم کیا حال ہوگا بس مجھے معاف کرو اور کسی ایسے شخص سے رجوع کرو جو اول ہی دن تمہارا اطمینان کردے کہ تم ضرور کامیاب ہوگے اور میرے یہاں تو ایسے طالب کو کان پکڑ کے نکالدیا جاتا ہے جو خدا کی طلب میں ایسی شرطیں لگائے طالب کی شان تو یہ ہونا چاہئے کہ ؎

ناخوش تو خوش بود بر جانِ من
دل فدائے یار دل رنجانِ من

کیا طالبِ خدا کو خدا کی ساتھ اتنا تعلق بھی نہ ہو جتنا بچہ کو ماں سے ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ماں بچہ کو مارتی بھی ہے دھکے بھی دیتی ہے مگر جتنے دھکے دیتی ہے بچہ اتنا ہی ماں کو لپٹتا ہے اور اسکو نہیں چھوڑتا۔ واللہ جو طالب حق ہیں اگر انکو اُدھر سے دھکے بھی دئے جائیں اور پورا یقین ہوجائے کہ ہم محروم ہی رہیں گے اور دوزخ میں جائیں گے جب بھی وہ طلب کو ہاتھ سے نہ دیں گے عبد کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کے راضی کرنیکی کوشش میں لگا رہے۔ اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ عاشق حق اور طالب حق کی ناکامی عاشق غیر اور طالب غیر کی اس کامیابی سے ہزار درجہ بہتر ہے

جسکو وہ اپنے زعم میں کامیابی سمجھ رہا ہے۔ اگر ناکامی فرض بھی کرلیجائے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کا سچا عاشق اور سچا طالب کبھی ناکام نہیں رہ سکتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں کیونکہ دنیا میں اصل کامیابی راحت و اطمینان کا نام ہے تمام اسباب کامیابی اسی کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں اور یہ طالبان حق کے پاس سب سے زیادہ ہے کیونکہ پریشانی کی اصل وجہ تجویز ہے کہ ہمنے چاہا تھا کچھ اور ہوگیا کچھ اور سو اہل اللہ اسکو فنا کردیتے ہیں اور ہمارے اس چاہنے کا سلسلہ ایسا ہی جیسے ایک مجذوب کی لنگوٹی کا قصہ ہے کہ ایک مجذوب ننگا رہتا تھا اسکے معتقدوں نے اصرار کیا کہ حضور کم از کم ایک لنگوٹی تو باندھ لیا کریں انکے اصرار سے اُسنے لنگوٹی باندھ لی مگر کھانا کھاتے...... ہوئے اسپر دودھ سالن گرنے لگا کیونکہ بعض مجذوبوں کو کھانیکا طریقہ نہیں آتا وہ اسطرح کھاتے ہیں کہ بہت سا کھانا سینہ پر اور ہاتھوں پر گرتا رہتا ہے جب لنگوٹی پر دودھ وغیرہ گرنے لگا تو چوہوں نے اُسے کترنا شروع کیا معتقدوں نے چوہوں کیواسطے بلی پالی تو بلی کھانا کھانے لگی اُسکی حفاظت کے لئے ایک آدمی رکھا گیا جو رات دن وہیں رہے جب آدمی نے عمدہ غذائیں کھائیں تو نکاح کی ضرورت ہوئی نکاح ہوا تو بچے بھی ہوگئے ایک دفعہ مجذوب نے دیکھا کہ ایک مجمع گھیرے ہوئے ہے معتقدوں سے اسکا سبب پوچھا اونھوں نے سب تفصیل بیان کی معلوم ہوا کہ یہ سارا جھگڑا لنگوٹی کیوجہ سے ہے تو اُس نے لنگوٹی اُتار پھینکی کہ جاؤ ہم جڑ ہی کاٹے دیتے ہیں ایک ذرا سی لنگوٹی کے لئے اتنا بڑا سامان اسطرح ہماری تجویز مجذوب کی لنگوٹی ہے کہ اس میں شاخ سے شاخ نکلتی جاتی ہے اور برابر پریشانیاں بڑھتی جاتی ہیں اسلئے اہل اللہ نے اس تجویز ہی کو رخصت کردیا اور اونکی دعا کرنے سے تجویز کا شبہ نہ کیا جاوے دعا اہل اللہ بھی کرتے ہیں اور دنیا والے بھی مگر اہل اللہ کی دعا ایک وجہ خاص سے دنیا والوں کی دعا سے جدا ہے اور وہ وجہ خاص ایک ایسی چیز ہے جس سے یہ بزرگ ہیں اور تم بزرگ نہیں گو ظاہر میں تم اُن سے زیادہ ماتھا رگڑتے ہو اور گھنٹوں دعامیں گڑگڑاتے ہو اسکو شاعر کہتا ہے ؎

شاہد آں نیست کہ موی و میانے دارد
بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

اور کہتے ہیں ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند — نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریکتر زمو ایں جاست — نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

وہ آن یہ ہے کہ اہل اللہ دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے سب کچھ مانگتے ہیں مگر رضا باللہ کیساتھ کہ اگر دعا قبول نہ ہوئی تب بھی اللہ تعالیٰ سے اسی طرح راضی رہیں گے جیسے دعا سے پہلے تھے وہ محض حکم کی وجہ سے اظہارِ عبدیت کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اسواسطے دعا نہیں کرتے کہ جو ہمنے مانگا ہے وہی ملجائے بلکہ ہر حال میں خدا کی رضا پر راضی رہتے ہیں سو جس شخص کا یہ حال ہو اسکی برابر کسکو راحت ہو سکتی ہے واللہ سلاطین کو اہل اللہ کی راحت کی ہوا بھی نہیں لگی پھر جسوقت وہ خلوت میں اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہوکر متوجہ ہوتے ہیں اسوقت کی راحت کو تو کچھ نہ پوچھئے اُسکا اندازہ تو اہل اللہ کا دل ہی کرسکتا ہے جسکا کچھ پتہ اُن کے اقوال سے ملتا ہے چنانچہ عارف فرماتے ہیں ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں — کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

اور فرماتے ہیں ؎

بفراغِ دل زمانے نظرے بماہ روئے — بہ ازاں کہ چترِ شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

یہ تو راحت کا حال تھا۔ عزت کو اگر دیکھو تو اہل اللہ کی عزت دنیا دار حکام تک کے قلوب میں ہوتی ہے جنکی دنیا والے خوشامد کرتے پھرتے ہیں۔ پچھلے دنوں لفٹنٹ گورنر مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب کی زیارت وملاقات کو حاضر ہوئے تھے یہ عزت نہیں تو اور کیا ہے کوئی ہاتھی پر چڑھنے کا نام عزت تھوڑا ہی ہے۔ پھر اہل اللہ کی عزت محبت و انشراح کی ساتھ ہوتی ہے اور دنیا والوں کی عزت خوف ضرر و انقباض کی ساتھ ہوتی ہے اگر جنگل میں بھی بیٹھ جائیں تو وہیں قلوب مجتمع ہو جاتے ہیں اور دنیا والے جہاں اپنے مقام عہدہ سے الگ ہوئے پھر اونکی خاک بھی عزت نہیں ہوتی اور اگر کبھی اپنی وضع ولباس کو بھی بدلدیں پھر تو کوئی ان کو سلام بھی نہیں کرتا یہ جو لوگ انکو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں یہ اصل میں ان کے کوٹ پتلون کو سلام ہوتا ہے ذرا یہ کوٹ پتلون کو چھوڑ کر معمولی لباس پہنکر نکلیں پھر دیکھیں کے آدمی سلام کرتے ہیں۔ اور اہل اللہ کی حالت یہ ہے کہ یہ جس لباس اور

جس وضع میں بھی ہوں لوگ انکی عزت کرتے ہیں کیونکہ عزت لباس کی وجہ سے نہیں بلکہ اُس دولت باطنیہ کی وجہ سے ہے جس کا نور اُن کی پیشانی سے ظاہر ہوتا ہے اور ہر شخص کو نظر آتا ہے ؎

نور حق ظاہر بود اندر ولی نیک بین باشی اگر اہل دلی

اور کسی نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے ؎

مرد حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

پس دنیا کی کامیابی جس کا نام ہے یعنی عزت و راحت وہ طالبان حق سے زیادہ کسیکو حاصل نہیں مگر یہ سب بدون نیت وارادہ کے انکو عطا ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو مٹاتے رہتے ہیں اور خدا انکو زندہ کرتا رہتا ہے بس یہ رنگ ہوتا ہے ؎

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر ست

صاحبو! بادشاہوں کے نام و نشان آج دنیا سے غائب ہو گئے مگر اہل اللہ کا نام زندہ ہے لوگوں کے دلوں میں اُنکی یاد کا نقش ہے۔ دیکھئے حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام سبکو کیسا معلوم ہے سب کے دلوں میں اُنکی عظمت کیسی تازہ ہے حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا خرقہ کہن جسمیں صدہا پیوند لگے ہوئے ہیں آجتک تبرک ہے اور بادشاہوں کے قیمتی تاج بھی آج معدوم ہو گئے۔ یہاں ایک بات قابل تنبیہ ہے وہ یہ کہ حضرت شیخ کے خرقہ میں صدہا پیوند اسواسطے لگے ہیں کہ شیخ نے سالہا سال تک اسکو پہنا تھا جہاں سے پھٹا وہاں کبھی کسی قسم کا کبھی کسی طرح کا پیوند لگا دیا مگر آج کل جو درویشوں کا خرقہ تیار ہوتا ہے اُس میں قصداً رنگ برنگ کے پیوند لگائے جاتے ہیں جس سے محض خوبصورتی اور نام مقصود ہوتا ہے چنانچہ کانپور میں ایک درویش نے خرقہ بنایا تھا جو غالباً دو سال میں سلکر تیار ہوا تھا ظالم نے اُس میں قیمتی کپڑوں کے پیوند رنگ برنگ کے لگائے تھے اور وہ بھی درزیوں سے مانگ کر جسمیں کثرت سے چوری کے تھے سو یہ خرقہ ریا ہے خرقہ گدائی ہے خرقہ دزدی ہے جو حافظ رحمہ اللہ کے اس شعر کا ٹھیک مصداق ہے ؎

نقد صوفی نہ ہمہ صافی و بیغش باشد   اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

یہ جملہ معترضہ تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ اہل اللہ کی برابر کسیکو دنیوی عزت بھی نصیب نہیں انکی عزت زندگی میں تو ہے ہی مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے چنانچہ ایک انگریز سیاح نے ہندوستان کے متعلق اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ میں نے ہندوستان میں ایک عجیب منظر دیکھا کہ اجمیر میں ایک مردہ قبر میں پڑا ہوا تمام ہندوستان پر بادشاہت کر رہا ہے کہ چاروں طرف سے لوگ آتے اور اُسکے سامنے ادب و تعظیم کے ساتھ دست بستہ کھڑے ہوتے اور سر خم کرتے ہیں اور جو حاضر نہیں اونکے قلوب بھی عظمت سے پُر ہیں مگر اس سے اس فعل انحنا داخال بدعت کے جواز پر استدلال نہیں ہو سکتا یہ فعل حرام ہے میں بار بار کہتا ہوں کہ قبروں کو چومنا اُنکے آگے سر جہکانا بالکل حرام ہے مگر منشا تو اسکا وہی عزت و عظمت ہے جو قلوب عالم میں جاگزین ہے گو اس منشا کا ظہور بری طرح ہو رہا ہے سلاطین کی قبر پر برسوں کوئی جا کر بھی نہیں پھرتا۔ اسی طرح حضرات اولیاء اللہ کے مزارات اسی تعظیم کیوجہ سے بڑے عالیشان پختہ بنائے جاتے ہیں یہاں بھی منشا وہی عظمت ہے مگر اُس کا ظہور بُری طرح ہوا کیونکہ شرعًا تعظیم اولیاء کی یہ صورت حرام ہے اہل اللہ کی تعظیم کچھ اسی میں منحصر نہیں کہ اُنکے مزار پختہ بنائے جائیں وہ تو کچی قبر میں بھی ویسے ہی معظم و محترم ہیں جیسے پکی قبر میں بلکہ کچی قبروں پر بوجہ موافقت سنت کے انوار زیادہ ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی کچی قبر پر ایسی ہیبت برستی ہے جو سلاطین کی قبروں پر خاک بھی نہیں اور اگر کسی کے آنکھیں ہوں تو اُسکو معلوم ہو جائیگا کہ کچی قبر پر جو انوار ہیں وہ پختہ قبر پر کہاں اور اگر کسی کی آنکھیں بند ہوں تو وہ اس دلیل ہی سے سمجھ لے کہ اول تو انوار سنت کی ساتھ مخصوص ہیں اور یہ پختہ مزارات تمامتر روساء اور امراء اور سلاطین کے بنائے ہوئے ہیں بزرگوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ امراء و سلاطین کے بنائی ہوئی چیز میں انوار کہاں اور اہل اللہ کو اپنے بدن تک کی تو پروا ہوتی نہیں پھر یہ چوچلے قبروں کے پختہ و آراستہ بنانیکے اون میں کہاں سے آجاتے یقینًا یہ بزرگوں کا کام نہیں بلکہ سلاطین و امراء کے چوچلے ہیں۔ انہی کو ایسی باتیں سوجھا کرتی ہیں جو سلاطین و روساء دین سے ناآشنا ہیں انکو تو دوسری طرح کے فسق و

فجور کے چوچلے سوجھتے ہیں اور جنکو ذرا دین سے کچھ تعلق اور دینداروں سے محبت ہے انکو پختہ مزار
بنانے کے اور بدعات کے چوچلے سوجھتے ہیں جیسے ایک رئیس حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ
کیواسطے ایک نہایت قیمتی خوشنما بھڑکدار پوستین لائے تھے کہ حضرت اسکو پہنا کریں مولانا نے
ایک نواب صاحب کو دیدیا اور فرمایا کہ نواب صاحب اسکو آپ پہن لیجئے آپکے کپڑوں
پر یہ اچھی لگے گی کیونکہ آپ کا اور لباس بھی اسکے موافق قیمتی ہوگا اور میں لٹھے گاڑھے دھوتر
کے اوپر اسکو پہنکر کیا اچھا لگوں گا پھر اسکی حفاظت کیڑے سے کون کریگا مجھے اتنی فرصت
نہیں فضول اسکو رکھکر بھی ضائع کروں غرض اہل اللہ جب اپنے بدن کیواسطے یہ جھگڑے
پسند نہیں کرتے تو قبروں کیلئے تو ضرور ہی ان خرافات کو پسند کرینگے۔ مگر اہل دنیا ان حضرات
کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں کہ معمولی ہدیہ سے پیر صاحب کیا خوش ہونگے کوئی قیمتی
ہدیہ لیجانا چاہئے حالانکہ میں سچ کہتا ہوں کہ اہل اللہ کے یہاں تمہاری قیمتی چیزوں کی کچھ
قیمت نہیں اُنکے یہاں تو اخلاص کی قدر و قیمت ہے اخلاص کی ساتھ اگر ایک پیسہ کی چیز
بھی لیجاؤ تو اسکو سر پر رکھیں گے اور خالی ہاتھ چلے جاؤ تو اسکی بھی قدر کرینگے اور بدون
اخلاص کے ہزاروں کی بھی اُنکی نظر میں خاک وقعت نہیں چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ ہے
کہ وہ دوسرے بزرگ سے ملنے کو چلے چونکہ ہاتھ میں پیسہ نہ تھا اسلئے خالی ہاتھ ہی چل
پڑے کوئی ہدیہ ساتھ نہ لیا۔ آجکل تو اگر ہدیہ ساتھ نہو تو بزرگوں کی زیارت ہی نہیں کرتے
یہ قلت محبت کی دلیل ہے۔ غرض راستہ میں اُنکے دل نے محبت کی وجہ سے تقاضا کیا کہ
بزرگ کے لئے کچھ ہدیہ ساتھ لینا چاہئے پھر دل میں آیا کہ اور کچھ نہیں تو جنگل سے لکڑیاں ہی
جمع کر لینا چاہئے۔ شیخ کے حمام ہی میں کام آجائینگی چنانچہ لکڑیوں کا ایک گٹھر جمع کر کے
چلے اور پیش کر کے عرض کر دیا کہ یہ حضرت کے لئے ہدیہ ہے میں نے راستہ میں سے آپکے
حمام کے لئے جمع کر لیا تھا کیونکہ دل نے تقاضا کیا کہ کچھ ہدیہ لیکر چلوں شیخ نے خادم سے فرمایا
کہ یہ ہدیہ نہایت خلوص کا ہے ان لکڑیوں کو حفاظت سے رکھو ہمارے انتقال کے بعد انسے
پانی گرم کر کے ہمکو غسل دیا جائے شاید اللہ تعالیٰ اسکی برکت سے میری مغفرت فرمادیں تو
دیکھئے ظاہر میں ہدیہ معمولی تھا مگر اخلاص کی وجہ سے ان بزرگ نے اُسکی کیسی قدر کی کہ

لئے غسل بعد الموت کے لئے اسکو حفاظت سے رکھا کہ شاید اسی سے مغفرت ہو جائے اس سے آپ اہل اللہ کے مذاق کا اندازہ کر سکتے ہیں پس اُنکو اپنے اوپر قیاس نہ کرو کہ وہ بھی ان خرافات سے خوش ہوتے ہیں جیسے تم خوش ہوتے ہو تو یہ پختہ مزارات اہل اللہ کے مذاق کے بالکل خلاف ہیں پھر یہ قبر کی وضع کے بھی خلاف ہیں کیونکہ قبروں کی زیارت سے جو مقصود ہے وہ ان پختہ قبروں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ زیارت قبور سے غرض یہ ہے کہ موت یاد آئے اور دنیا کے زوال و فنا کا نقشہ سامنے آجائے تو یہ بات کچی اور شکستہ قبروں ہی سے حاصل ہوتی ہے شکستہ قبر سے دل پر اثر ہوتا اور موت یاد آتی ہے ان شاہی قبروں سے موت تھوڑا ہی یاد آتی ہے نہ زوال و فنائے دنیا پیش نظر ہوتا ہے اگر یہ کہا جائے کہ ایسی قبروں سے بزرگوں کی محبت و عظمت تو دل میں آتی ہے تو میں کہوں گا کہ یہ محبت تعزیوں والی جیسی ہے کہ انکو بدون تعزیہ بنائے اور مرثیہ گائے شہداء پر رونا نہیں آتا۔ سچی محبت و عظمت کو اس ساز و سامان کی ضرورت نہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت نہ تھی انکو تو ایسی محبت تھی کہ حضور 16
کی وضو کا پانی کبھی زمین پر نہ گرتا تھا بلکہ صحابہ اُسکو ہاتھوں میں لیکر اپنے منہ اور آنکھوں پر ملتے تھے مگر با اینہمہ صحابہ نے حضور کی قبر پختہ نہیں بنائی بلکہ کچی ہی رکھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پختہ قبر بنانے سے منع فرمایا ہے پس محبت و عظمت نبوی کا تقاضا یہی تھا کہ قبر پختہ نہ بنائی جائے اور ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ اپنی زندگی میں حضور کی اتباع پر جان و دل سے فدا تھے پس جس بات میں حضور کی خوشی ہے اُسی میں اولیاء اللہ کی بھی خوشی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ پختہ قبر بنانے میں اہل اللہ کے نشان کا بقاء ہے تو اسکے جواب میں اول تو میں یہ کہتا ہوں کہ خدا انکو باقی رکھنے والا ہے۔ تمہارے باقی رکھنے سے وہ باقی نہیں رہ سکتے دیکھو بہت سی پختہ قبر والے مردے ایسے بھی ہیں جنکے نام سے بھی کوئی آشنا نہیں تو کیا پختہ قبر بنانا ہی بقا کا ذریعہ ہے ہرگز نہیں بلکہ اصل باقی رکھنے والی چیز اہل اللہ کی ولایت اور اُنکے کمالات معرفت و محبت ہیں پس وہ آپکی ابقاء کے محتاج نہیں عارف رح فرماتے ہیں ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق — ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اور مولانا نیاز فرماتے ہیں ؎

طمع فاتحہ از خلق نداریم نیاز — عشق من از پس من فاتحہ خوانم باقیست

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ نشان باقی رکھنے کی یہ بھی تو صورت ہے کہ قبر کچی رکھو اور ہر سال اُسکی لیپ پوت کرتے رہو مٹی ڈلواتے رہو۔ اور ایک عجیب تماشا ہے کہ یہ اہل دنیا پکی قبر اسی بزرگ کی بناتے ہیں جسکو یہ اپنے زعم میں پورا متبع سنت نہیں سمجھتے اور جسکو متبع سنت سمجھتے ہیں اسکی قبر کچی ہی بناتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کچی ہے اور وہاں عورتیں بھی حاضر نہیں ہوتیں انکے مجاوروں سے میں نے اسکی وجہ پوچھی تو کہا کہ حضرت متبع شریعت بہت تھے اسلئے ان امور کو جائز نہیں رکھا گیا گویا نعوذ باللہ دوسرے اولیاء متبع شریعت نہ تھے تو اس فعل سے اپنے بزرگوں پر ایک سخت الزام لگاتا ہے کہ یہ متبع شریعت نہ تھے سو اس وجہ سے بھی یہ فعل قابل ترک ہے اسی طرح حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رح کی قبر پر سماع و قوالی نہیں ہوتی 17
محض قرآن خوانی ہوتی ہے اسکی وجہ بھی بتلائی جاتی ہے کہ شیخ متبع سنت بہت تھے اسلئے آپکی قبر پر قوالی نہیں ہوتی۔ اس جواب میں ان لوگوں نے تسلیم کرلیا کہ سماع اور قوالی اور پختہ قبر بنانا یہ سب افعال خلاف سنت ہیں جبھی تو تم یہ کام اُس بزرگ کی قبر پر نہیں کرتے جسکو کامل متبع سنت سمجھتے ہو گو یہ لوگ اس نیت سے کہ یہ امور خلاف سنت ہیں یہ جواب نہ دیتے ہوں مگر سچی بات تو بیساختہ منہ سے نکل ہی جاتی ہے اور اہل انصاف تو صاف صاف اپنی غلطی کا اقرار کرلیتے ہیں چنانچہ میں ایک بار حضرت شاہ سلطان نظام الدین قدس سرہ کے مزار پر حاضر ہوا اسوقت وہاں سماع کا سامان جمع کیا جارہا تھا میں فاتحہ پڑھکر چلنے لگا تو اہل سماع نے مجھے روکا کہ آپ سماع میں شریک کیوں نہیں ہوتے آپ بھی تو چشتی ہیں اور چشتیہ تو سب صاحب سماع ہوئے ہیں میں نے کہا کہ میں اسلئے شریک نہیں ہوتا کہ سلطان جی ناراض ہوجائیں گے کہا کیوں سلطان جی تو خود صاحب سماع تھے میں نے کہا ہاں مگر سلطان جی نے اپنے

اپنے رسالہ فوائد الفواد میں سماع کی چار شرطیں لکھی ہیں سامع مسمع مسموع آلۂ سماع۔

سامع کے متعلق فرمایا ہے کہ از اہل ہوی و شہوت نباشد۔ اور مسمع کی نسبت ارشاد ہے کہ مرد تمام باشد زن و کودک نباشد۔ اور مسموع میں شرط لگائی ہے کہ ہزل و فحش نباشد اور آلت سماع کے باب میں فرمایا ہے کہ چنگ و رباب درمیان نباشد اور میں دیکھتا ہوں کہ یہاں یہ شرائط مجتمع نہیں تو مجھ میں حضرت کے ناراض کرنے کی ہمت نہیں پس یہ جواب سنکر سب شرمندہ ہوگئے۔ اگر میں عام مولویوں کی طرح وہاں بحث کرنے لگتا کہ سماع مطلقاً حرام ہے تو کوئی میری بات کو نہ سنتا مگر اس نرمی کے جواب کا یہ اثر ہوا کہ سب نے اقرار کر لیا کہ واقعی تم سچ کہتے ہو اور جب اسماع ہم سنتے ہیں وہ بزرگوں کی شرائط کے خلاف ہے غرض اہل انصاف تو التزاما اور اہل عناد لزوماً حق کا اقرار کر ہی لیتے ہیں چنانچہ مجاوروں نے من حیث لا یدرون اقرار کر ہی لیا کہ قبر پختہ بنانا شریعت میں ممنوع ہے اور اسکے ممنوع ہونے کی ایک اور حکمت سمجھو وہ یہ کہ پکی قبر بنانے سے جو شریعت نے منع کیا ہے حقیقت میں یہ ہمپر بڑا احسان کیا کیونکہ اگر ابتداء سے اسوقت تک سب قبریں پختہ ہی ہوتیں تو آدمیوں کو تو رہنے کے لئے جگہ بھی نہ ملتی نہ زراعت کے لئے زمین ملتی کیونکہ مُردے اسقدر گذر چکے ہیں کہ کوئی حصّہ زمین کا مُردوں سے خالی نہیں۔ بتلائیے اگر سب کی قبریں پختہ ہوتیں تو ہمارے لئے کہاں ٹھکانا ہوتا بس قبروں کے اوپر دو منزلہ سہ منزلہ مکان بناتے جو ایک پہاڑ سا ہو جاتا اور کچی قبر میں تو یہ بات ہے کہ جب نشان مٹ گیا تو اب وہاں دوسری قبر بنا سکتے ہیں اور اگر زمین وقف نہ ہو تو اُس پر اتنی مدت کے بعد زراعت بھی کر سکتے ہیں جسمیں یہ یقین ہو جائے کہ مردہ کا جسم خاک خوردہ ہو گیا ہوگا اور یہ بات کہ ہر جگہ مُردے ہیں زندوں مُردوں کی مردم شماری پر نظر کرکے سمجھ میں آسکتی ہے کہ جب ایک زمانہ میں اتنے آدمی مجتمع ہیں تو اس چھ سات ہزار سال کی مدت میں کس قدر بیشمار ہوں گے اور ہر شخص کے قبر کے لئے کتنی جگہ ضروری ہوتی ہے تو زمین میں اتنی جگہ کہاں تھی اور اسی

حساب پر نظر کرکے اہل سائینس یہ کہتے ہیں کہ اگر آج سب زندہ ہوتے تو اس زمین پر رہنے
کو جگہ نہ ملتی - غرض قبروں کے پختہ ہونے سے یہ تنگی ہوتی اور اب تو اون ہی کے دفن ہونیکی
جگہ میں سب بس رہے ہیں اون ہی کے مدفن بلکہ خود اون کی جسد کی مٹی سے مکان بنا رہے
ہیں برتن بنا رہے ہیں ممکن ہے کہ ہمارے گھروں کے گھڑے صراحی پیالے ہمارے بزرگوں کی
مٹی کے بنے ہوئے ہوں چنانچہ ایک اہل کشف کا قصہ یاد آیا - ایک گانوں میں ایک مولوی
صاحب کا گذر ہوا جو صاحب کشف تھے اوس گانوں میں ایک عجیب آبخورہ تھا جسمیں پانی ہر موسم
میں گرم رہتا تھا حتی کہ چلہ کے جاڑوں میں بھی اون مولوی صاحب سے اسکی وجہ پوچھی گئی اونہوں
نے فرمایا اسکو میرے پاس چھوڑ دو چنانچہ ایک شب اونکے پاس رہا صبح کو جو دیکھا تو اوسمیں
پانی ٹھنڈا تھا لوگوں نے وجہ پوچھی فرمایا یہ ایک گنہگار دوزخی کی مٹی کا بنا ہوا تھا آج میں نے
دعا کی اسکی مغفرت ہو گئی اسلئے پانی ٹھنڈا ہو گیا تو قبر کا پختہ بنانا ان مفاسد پر مشتمل ہے علاوہ
اسکے موت تو مٹانے ہی کیواسطے ہے اسکے بعد بقا کا سامان کرنا ایک امر فضول ہے اسپر اگر
کوئی کہے کہ قبروں سے فیض ہوتا ہے اسلئے قبروں کے بقا کی ضرورت ہے تو میں اسکے وقوع
کا انکار نہیں کرتا مگر اول تو وہ فیض معتد بہ نہیں کیونکہ قبروں سے جو فیض ہوتا ہے وہ ایسا نہیں
جس سے تکمیل ہو سکے یا سلوک طے ہو سکے بلکہ اسکا درجہ صرف اتنا ہے کہ صاحب نسبت کی
نسبت کو اس سے کسی قدر قوت ہو جاتی ہے غیر صاحب نسبت کو تو خاک بھی فیض نہیں ہوتا
صرف صاحب نسبت کو اتنا فیض ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے نسبت کو قوت اور حالت
میں زیادت ہو جاتی ہے مگر وہ بھی دیرپا نہیں ہوتی بلکہ اوسکی ایسی مثال ہے جیسے تنور کے
پاس بیٹھکر کچھ دیر کے لئے جسم میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے کہ جہاں تنور سے ہٹے اور
ہوا لگی وہ سب گرمی جاتی رہی اور زندہ مشائخ سے جو فیض ہوتا ہے اوسکی ایسی مثال ہے
جیسے کوئی مقوی دوا کھا کر قوت و حرارت حاصل ہوتی ہے کہ وہ تمام جسم میں پیوستہ ہو جاتی
ہے پس صاحب نسبت کو اول تو قبر سے فیض لینے کی ضرورت نہیں زندہ شیخ اسکے لئے
قبروں سے زیادہ نافع ہے اور ضرورت بھی ہو تو صاحب نسبت کے لئے قبر کا پختہ ہونا
ضروری نہیں وہ تو آثار سے معلوم کر لیگا کہ یہاں کوئی صاحب کمال مدفون ہے - پس

یہ وجہ بھی کالعدم ہو گئی - میں یہ کہہ رہا تھا کہ اہل اللہ سے زیادہ صاحب عزت کوئی نہیں انکی عزت و عظمت مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے گو قبر کا بھی نشان نہ رہے اسی طرح راحت حقیقی بھی ان ہی کا حصہ ہے جیسا اوپر ثابت ہو چکا - تو جب راحت بھی سب سے زیادہ ان ہی کو حاصل اور عزت بھی سب سے زیادہ انہی کو حاصل تو دنیا میں بھی ان سے بڑھکر کوئی کامیاب نہیں اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے طاعات کی ساری جزا ادھار پر نہیں رکھی آخرت میں تو انکی جزا ملے ہی گی دنیا میں بھی جزا ملتی ہے وہ یہی راحت و اطمینان اور عزت و عظمت ہے چنانچہ نص میں الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اور دوسری جگہ ہے فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ - طاعت و ذکر اللہ کی برکت سے دنیا میں اہل طاعت کو حیات طیبہ حاصل ہوتی ہے جسکی سلاطین و امراء کو ہوا بھی نہیں لگی پھر کسکا منہ ہے جو انکو ناکام کہسکے پس طالب حق بشرطیکہ سچا طالب ہو نہ دنیا میں ناکام ہوتا ہے نہ آخرت میں دنیا کی کامیابی تو وہی ہے جسکو میں نے اسوقت بیان کیا اور آخرت کی کامیابی کو سب جانتے ہیں کہ اہل طاعت کے لئے وہاں کیا کچھ نعمتیں اور راحتیں ہیں حدیث قدسی میں وارد ہے اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر - مضمون بہت طویل ہو گیا - میں نے یہ بات اسپر بیان کی تھی کہ اگر کسیکو تصحیح قرآن کی امید نہ ہو تو وہ اپنی سی کوشش کرے اُسکے بعد وہ ناکام نہ ہو گا بلکہ اللہ تعالیٰ اسکو صحیح پڑھنے والوں کے برابر بلکہ اُنسے زیادہ ثواب دینگے اسپر یہ گفتگو شروع ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی عجیب سرکار ہے کہ یہاں کوئی سعی کرنے والا ناکام نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ بندہ کی طلب کو دیکھتے ہیں چاہے واصل الی المطلوب ہو یا نہ ہو پس اب کسیکو تلاوت قرآن اور تصحیح حروف میں بہانہ کرنے کا کوئی موقع نہیں بحمد اللہ اسوقت میں نے دلائل سے بھی اور امثال سے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کے صورت و معنی دونوں کی ضرورت ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بدون سمجھے قرآن پڑھنے سے کیا نفع وہ سخت بات زبان سے نکالتے ہیں جس سے ایمان سلب ہونے کا اندیشہ ہے یہ تو اُس شبہ کا جواب تھا جسمیں نو تعلیمیافتہ طبقہ بدنام ہے اور یہ لوگ جلدی بدنام

ہو جاتے ہیں کیونکہ انکی صورت وضع اور ظاہری افعال احکام اسلام کے خلاف ہوتے ہیں
مگر خدانخواستہ عقائد سب کے خراب نہیں بلکہ ان میں بعض کے عقائد اچھے بھی ہوتے ہیں
مگر ظاہری صورت کی وجہ سے بدنام سب ہیں۔ میں نے ڈہاکہ میں ایک مرتبہ خاص
نواب صاحب کے اعزہ میں وعظ کہا تھا جنمیں زیادہ تر جنٹلمین تھے میں نے اس جلسہ میں
خاص طور پر..... تصحیح عقائد ہی کا بیان کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ آپ لوگ اگر اپنی پوری اصلاح
نہ کرسکیں تو کم از کم دو باتوں کا تو اہتمام کریں ایک یہ کہ اپنے عقائد صحیح کرلیں دوسرے
جو ناجائز اعمال آپ کرتے ہیں انکو حرام سمجھکر کریں کھینچ تان کر اُنکے جائز کرنے کی کوشش
نکریں کیونکہ آپکی لغو تاویل سے حرام فعل حلال تو ہو نہیں سکتا مگر اس تاویل سے یہ مفسدہ
لازم آئیگا کہ آپ حرام کو حلال سمجھیں گے اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے قطعی یا ظنی تو یہ حالت
سخت خطرناک ہے اور اگر حرام سمجھکر کریں گے تو کفر کا تو خطرہ نہ رہے گا صرف معصیت
رہجاویگی یہ کفر سے اہون ہے دوسرے جب آپ اسکو حرام سمجھتے رہیں گے تو کیا عجب ہے
کہ کسی وقت توبہ کی توفیق ہوجائے اور اگر مان لیا جائے کہ آپ عمر بھر ان افعال
کو نہ چھوڑ سکیں گے تو کفر سے تو بچا رہے گا اس مضمون کو میں نے ایک خاص جلسہ
میں بھی بیان کیا تھا اسوقت بہت لوگوں کا خوش عقیدہ ہونا اُنکے اظہار خیالات سے
معلوم ہوا۔ خیر یہ تو شبہ نو تعلیم یافتہ جماعت کا تھا جسکا جواب مذکور ہوا ایک شبہ
درویشوں کا ہے جو دینداروں میں اعلیٰ طبقہ ہے۔ اور مسلمانوں کو عموماً درویشوں کی طرف
میلان بھی زیادہ ہے حتی کہ نو تعلیم یافتہ طبقہ بھی اُنسے رجوع کرتا ہے اور وہ بھی انکے
معتقد ہیں خواہ وہ سچے درویش ہوں یا بنے ہوئے ہوں جسکی وجہ یہ ہے کہ لوگ انکو
کارخانہ الٰہی میں دخیل سمجھتے ہیں اور اسکے لئے ایک شعر مشہور کر رکھا ہے ؎

اولیارا ہست قدرت از الٰہ تیر جستہ باز گردانند زراہ

مگر اسکے جو معنے عام لوگوں نے سمجھے ہیں وہ بالکل غلط ہیں کیونکہ اس میں از الٰہ کی قید
مذکور ہے معلوم ہوا کہ اصل مدار قضا و قدر پر ہے تو اوسمیں بھی اللہ تعالیٰ ہی سے
پالا پڑا کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے تو ان میں سے بعضے درویش

یوں کہتے ہیں کہ شریعت کا ایک ظاہر ہے ایک باطن - ایک صورت ہے ایک معنی اور اصل مقصود معنے ہے صورت مقصود نہیں اور قرآن کے الفاظ اور اس طرح نماز روزہ کے ارکان یہ سب صورت ہے لھذا مقصود نہیں اسی لئے وہ اسکے بھی معتقد ہیں کہ جب معنے اور حقیقت تک رسائی ہو جاتی ہے تو عبادات ساقط ہو جاتی ہیں - میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ شریعت کا ہے اس میں کسی کا قول اور کشف معتبر نہیں اور شریعت کا حکم ہے کہ واعبد ربك حتى يأتيك اليقين جس سے معلوم ہوا کہ موت آنے تک عبادت ضروری ہے اور عبادت صورت معنی دونوں کے متعلق ہے بلکہ زیادہ حصہ عبادت کا افعال جوارح ہی ہیں قلب سے صرف نیت شرط ہے اسلئے یہ قول غلط ہے کہ مقصود صرف معنے ہے ظاہر مقصود نہیں مگر ان جاہل درویشوں نے ایک اور کمال کیا کہ خود اس آیت ہی کے معنے بدلدئے اور یہ کہا کہ یقین سے مراد ایک خاص درجہ ولایت کا ہے جب عارف اس درجہ پر پہونچ جاتا ہے تو عبادت معاف ہو جاتی ہے اور اُس سے پہلے پہلے عبادت کا مامور ہے - اس مقام پر پہونچنے کے بعد صرف باطن سے عبادت کا مامور ہوتا ہے کہ دل سے خدا کا ذکر کرتا رہے - نماز روزہ کی صورت لازم نہیں رہتی اور اسکا نام ان لوگوں نے طریقۂ قلندری رکھا ہے مگر یہ ساری خرابی فن کے نہ جاننے کی ہے قلندر صوفیہ کی خاص اصطلاح ہے اسکو اہل فن سے دریافت کرو چنانچہ اس فن میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں جنمیں بعض کتابیں بہت ہی عمدہ ہیں جیسے عوارف المعارف وغیرہ اُن میں اس اصطلاح کی حقیقت بہت وضاحت سے لکھی ہے - قلندر اسکو کہتے ہیں جو ظاہری عبادت میں تقلیل کرے یعنی کہ جسپر ذکر و فکر نوافل و مستحبات سے زیادہ غالب ہو یعنی وہ نفلیں زیادہ نہیں پڑھتا بلکہ ذکر اللہ زیادہ کرتا ہے یہ معنے نہیں کہ فرائض و واجبات کو بھی ترک کر دیتا ہے - مگر آج کل تو قلندر اُسے کہتے ہیں جو چار ابرو کا صفایا کرے اور سر منڈا دے ایسی قلندری تو بہت سستی ہے حجام کو دو پیسہ دیکر جسکا جی چاہے قلندر بنجائے اسی کو فرماتے ہیں ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند — نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریکتر زمو ایں جاست — نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اور قلندر کے مقابل ایک دوسرا فرقہ بھی ہے جسکو ملامتی کہتے ہیں یہ بھی اصطلاحی لفظ ہے ملامتی وہ ہے جو اعمال میں تکثیر تو کرتا ہے مگر اون کے اخفاء کا اہتمام کرتا ہے جس سے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو دوسروں سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرتے یہ کیسے بزرگ ہیں مگر آجکل اسکی معنے بھی لوگوں نے بگاڑ دئیے اب ملامتی اُسے کہتے ہیں جو شراب وکباب اور زنا کاری کیساتھ تصوف کا دم بھرتا ہو غرض یہ الفاظ اصطلاحی ہیں ان کے معنے اہل فن سے پوچھو تمکو اپنی طرف سے معنے بیان کرنے کا حق نہیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ لا مشاحۃ فی الاصطلاح ہمکو اپنی جدا اصطلاح قائم کرنے کا حق ہے تو پھر میں کہوں گا کہ تمہاری اصطلاحی قلندری کو دین سے کچھ واسطہ نہیں بلکہ شریعت میں اسکو زندقہ اور بیدینی کا لقب دیا گیا ہے اور آیت کے جو معنے تمنے بیان کئے ہیں وہ بالکل غلط ہیں کیونکہ یقین سے ولایت کا خاص درجہ مراد لینا تمہاری اصطلاح ہے اور قرآن تمہاری اصطلاحات میں نازل نہیں ہوا بلکہ لغات عرب میں نازل ہوا ہے اور کتب لغت تمہارے سامنے ہیں لغت کی کتاب سے بتلاؤ کہ یہ معنے کسنے لکھے ہیں ورنہ ہم بتلاتے ہیں کہ جب یہ اتیان کا فاعل ہوتا ہے تو اسکے معنے موت کے ہوتے ہیں چنانچہ جمہور مفسرین اسی بناء پر بیان کرتے ہیں کہ یقین سے موت مُراد ہے یہ تو لغوی دلیل ہے دوسری ایک شرعی دلیل اُنکے پاس نہایت قوی موجود ہے وہ یہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک فرائض پر جو وعیدیں فرمائی ہیں اون سے کسیکو مستثنیٰ نہیں فرمایا پس یہ خیال غلط ہے کہ عبادات وطاعات ظاہرہ کسی مقام پر معاف ہو جاتی ہیں بلکہ معاملہ برعکس ہے کہ جس قدر قرب بڑھتا ہے اتنی ہی ذمہ داریاں بڑھجاتی ہیں عوام سے ترک مستحبات وسنن غیر موکدہ کے ترک پر مواخذہ نہیں ہوتا اور مقرب سے ذراسی مخالفت سنت پر مواخذہ ہوتا ہے ۔ دنیا میں اسکی نظیر موجود ہے ۔ گنواروں سے حکام کے اجلاس میں بے تمیزی کی باتیں صادر ہوں تو کچھ مواخذہ نہیں کیا جاتا اور پیشکار ذرا بے موقعہ ایک بات کہدے یا بلا وجہ ہنس پڑے تو اسکی مصیبت آجاتی ہے ۔ نزدیکاں را بیش بود حیرانی ۔

پھر حیرت پر حیرت ہے کہ خدا کا مقرب ہو کر بندہ بالکل آزاد ہو جائے یہ کبھی نہیں ہو سکتا اور بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ صورت مقصود نہیں بلکہ معنی مقصود ہے جب بھی

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز روزہ معاف اور ساقط ہو جائے کیونکہ معنی کی انواع مختلف
ہیں جیسے شیرینی کی اقسام مختلف ہیں ایک شیرینی امرود کی ہے ایک انار کی ایک
آم کی ایک گنے کی - ظاہر ہے کہ سب میں شیرینی کی جنس مشترک ہے مگر انواع مختلف
ہیں - اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ گنا چوسنے سے انار اور آم کی شیرینی حاصل ہو سکتی ہے
ہرگز نہیں - اسیطرح میں کہتا ہوں کہ جس معنی کو آپ مقصود سمجھے ہوئے ہیں انکی انواع
مختلف ہیں - ایک روح نماز کی ہے وہ نماز ہی سے حاصل ہو گی ایک روح صوم کی ہے
وہ روزہ ہی سے حاصل ہو گی ایک روح تلاوت قرآن کی ہے وہ تلاوت قرآن ہی سے
حاصل ہو گی یہ نہیں ہو سکتا کہ صرف ذکر قلبی سے نماز کی روح بھی حاصل ہو جائے اور روزہ
کی بھی اور تلاوت قرآن کی بھی - بس میں نے مانا کہ معنے مقصود ہیں مگر وہ معنے بدون ان
خاص صورتوں کے حاصل نہیں ہو سکتے اب جو شخص بدون نماز کے یہ دعوی کرے کہ مجھے
نماز کی روح حاصل ہے وہ جھوٹا ہے اسکی بالکل وہی مثال ہے جیسے کوئی گنا چوس کر یہ
کہے کہ مجھے انار و آم کی شیرینی کا مزہ حاصل ہے بس درویش کان کھول کر سُن ۲۴
لیں کہ نماز اور تلاوت قرآن کی روح نماز پڑھنے اور قرآن پڑھنے ہی سے حاصل ہو گی
بدون اسکے قیامت تک انکی روح حاصل نہیں ہو سکتی اسلئے انکو بھی تلاوت قرآن لازم
ہے اسکا خاص طور سے اہتمام کریں اور محض ذکر پر کفایت نکریں یہ درویشوں کی غلطی تھی
اب میں استطراداً اپنی جماعت کی بھی ایک غلطی ظاہر کرتا ہوں یعنی علماء کی کہ وہ خوش نہوں
کہ ہم سب سے اچھے ہیں بلکہ وہ بھی ایک غلطی میں مبتلا ہیں وہ یہ کہ علماء نے محض کتابی علم کو
کافی سمجھ رکھا ہے یہ علم حاصل کر کے عمل کی ضرورت نہیں سمجھتے حالانکہ علم سے مقصود عمل ہی
ہے - انکی حالت یہ ہے کہ انکے اخلاق باطنہ درست نہیں نہ اسکی فکر ہے جنمیں دو خلق مجھے
سخت ناگوار ہیں اور میں کیا چیز ہوں اللہ تعالی کو انسے سخت نفرت ہے ایک طمع یعنی
حب مال - ایک حب جاہ - علماء کو انہی دو باتوں نے زیادہ تباہ کیا ہے - مدرسین کی
یہ حالت ہے کہ تنخواہ پر جھک جھک کرتے ہیں یہ نہایت واہیات ہے اسی لئے کسی
مدرسہ کے مہتمم کو اپنے کسی مدرس پر اعتماد نہیں ہوتا کہ یہ رہے گا یا نہیں کیونکہ اگر دوسری جگہ ۱۸/۷

سے پانچ روپیہ زیادہ پر بھی دعوت آگئی تو مدرس صاحب فوراً اس مدرسہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلدیں گے اگرچہ وہاں دین کی خدمت زیادہ نہ ہو اور پہلی جگہ دین کی خدمت زیادہ ہو رہی ہو اور گذر بھی ہو رہا ہو یہ صریح دین فروشی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکو محض تنخواہ مقصود ہے دین کی خدمت مقصود نہیں البتہ اگر پہلی جگہ کی تنخواہ میں گذر نہ ہوتا ہو ضروریات میں تنگی پیش آتی ہو تو دوسری جگہ جانیکا مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ تنگی واقعی ضروریات میں ہو کیونکہ فضول ضرورتوں میں تنگی ہونا معتبر نہیں وہ دراصل ضروریات ہی نہیں اس شخص نے خواہ مخواہ انکو ضروریات میں ٹھونس رکھا ہے۔ پس یہ نہایت نازیبا حرکت ہے کہ عالم دین ہو کر مال پر رال ٹپکاتے پھریں اور دوسرا مرض ان میں حب جاہ کا ہے جسکی وجہ سے علماء کے اندر پارٹی بندی ہو گئی ہے ہر شخص اپنی ایک جدا جماعت بنانے کی فکر میں ہے۔ علماء کا مال کے باب میں تو یہ مذاق ہونا چاہئے ؎

۲۵ اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی — بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

ان کو تو اپنی فقیری ہی میں مستغنی اور مست ہونا چاہئے کہ دنیا داروں کے مال پر نگاہ بھی نہ اُٹھائیں اور یہ باتیں ہی نہیں ہیں بلکہ اہل اللہ نے ایسا کر کے بھی دکھا دیا ہے چنانچہ ایک بادشاہ کسی بزرگ کی زیارت کو گئے خانقاہ کے دروازہ پر پہونچے تو دربان نے روک دیا کہ میں اول شیخ کو اطلاع کر دوں اگر اجازت دیدی تب اندر جانا۔ بادشاہ کو دربان کی یہ حرکت سخت ناگوار ہوئی مگر چونکہ معتقدانہ آیا تھا اسلئے خاموش ہوگیا دربان نے شیخ کو اطلاع کی کہ بادشاہ سلامت زیارت کو آنا چاہتے ہیں وہاں سے اجازت ہوگئی جھلایا ہوا تو تھا ہی بزرگ کے سامنے جاتے ہی برجستہ یہ مصرع پڑھا کہ

در درویش را دربان نباید

بزرگ نے فی البدیہہ جواب دیا

بباید تا سگ دنیا نیاید

بادشاہ اپنا سا منہ لیکر رہگیا۔ اسی طرح جب شاہجہاں حضرت شیخ سلیم چشتی رح کی زیارت

کو گئے تو شیخ پہلے تو پیر سمیٹے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے بادشاہ کے بچھونے پر پیر لمبے کرکے بیٹھ گئے۔ بادشاہ کے ساتھ ایک عالم بھی تھے انھوں نے اس حرکت سے نفرت ظاہر کرتے ہوئے سوال کیا کہ آپنے پیر لمبے کب سے کر دئیے شیخ نے فی البدیہہ جواب دیا کہ جب سے ہاتھ سمیٹ لئے تو یہ حضرات بوجہ استغناء کے تہذیب عرفی کے پابند نہیں ہوتے اسی کو حضرت عارف فرماتے ہیں ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی ۔۔۔ بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

یہ تو حب مال کے متعلق ارشاد تھا آگے حب جاہ کے متعلق فرماتے ہیں ؎

در رہِ منزل جاناں کہ خطرہاست بجاں ۔۔۔ شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

مجنوں سے مراد فانی ہے کیونکہ مجنون عاشق کو کہتے ہیں اور عاشق ہمیشہ فانی ہوتا ہے کہ اپنی عزت وآبرو کو محبوب پر نثار کر دیتا ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا ۔۔۔ اور جو خود ناکام ہو اسکو کسی سے کام کیا

حضرت عارف فرماتے ہیں

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں ۔۔۔ مانمی خواہیم ننگ و نام را

اور مولانا فرماتے ہیں

عشق آں شعلہ ست کو چوں برفروخت ۔۔۔ ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

علماء میں بھی بڑی کمی ہے کہ یہ اس دولت عشق کو حاصل نہیں کرتے اسی لئے ان میں حب جاہ باقی رہتا ہے اسی لئے انکو مناصب وامامت کی فکر رہتی ہے ہر شخص اپنے لئے اسکی کوشش کرتا ہے جیسے کونسل کی ممبری کے لئے ووٹ لئے جاتے ہیں صاحبو اس میں کچھ عزت نہیں۔ ہماری عزت تو اس میں ہے کہ ہم امتیاز کی سب سے پچھلی صف میں کھڑے ہوں اور دوسرے ہمکو کھینچ کر آگے کریں مگر یہاں حالت برعکس ہے کہ لوگ ہمکو پیچھے کرنا چاہتے ہیں اور ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں اور اگر کوئی اس آفت سے بچا ہوا ہو تو اس دوسری آفت سے تو کوئی بھی بچا ہوا نہیں الا نادرا کہ اگر آج اسکی بستی میں کوئی دوسرا امام آجائے جو اس سے اچھا قرآن پڑھتا ہو یا کوئی واعظ آجائے

جو اس سے اچھا وعظ کہتا ہو یا مدرسہ میں کوئی دوسرا لائق مدرس آجائے جو اس سے اچھا پڑھاتا ہو تو اس سے جلتے ہیں حسد کرتے ہیں اور دل میں گھٹتے ہیں چاہے زبان سے کچھ نہ کہیں حالانکہ اخلاص اور دینداری اسکا نام ہے کہ اگر اپنے سامنے دین کی خدمت کرنے والے ہزار بھی ہو جائیں تو ہزاروں خوشیاں کیجائیں کہ الحمد للہ دین کی اشاعت کرنے والوں کی تعداد بڑھ گئی۔ ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بھائی اگر کوئی شخص راہ نجات بھی پڑھاتا ہے یا قاعدہ بغدادی پڑھاتا ہے تو وہ بھی ہمارا کام بٹاتا ہے مطلب یہ کہ ہم ساری مخلوق کو تعلیم دینے سے عاجز ہیں اور تمنا یہ ہے کہ دین کا چرچا گھر گھر ہو جائے تو جو شخص جس جگہ بھی دین کا کام کر رہا ہے وہ ہمارا معاون و مددگار ہے اسلئے ہمکو تو یہ سنکر خوشی ہونا چاہئے کہ دیوبند کی طرح سہارنپور و کانپور میں بھی عربی مدرسہ قائم ہو گیا ہے۔ میں علماء سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ اپنے اندر یہ مذاق پیدا کرو اور اپنے اعمال و اخلاق کو درست کرو۔ کہاں کے مناصب اور کیسی امامت یاد رکھو تم قوم کے ذمہ دار ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے ان افعال کی وجہ سے لوگ دین کو ذلیل سمجھنے لگیں۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ان حرکات پر یہ نتیجہ بد مرتب ہو رہا ہے لوگوں نے علما کی طمع اور پارٹی بندی کی وجہ سے علم دین کو ذلیل سمجھ رکھا ہے۔ تم نے ہی قوم کو ڈبویا ہے تم نے ہی اُنکے اعمال کو خراب اور ستیاناس کیا ہے جب عوام علماء کو پارٹی بندی کرتے دیکھیں گے تو بتلاؤ کیا وہ پارٹی بندی نہیں کریں گے ضرور کریں گے پھر اُنکی اصلاح کے لئے ہمارا کیا منہ رہیگا۔ صاحبو! تم مسلمانوں کے خادم ہو مخدوم نہیں ہو پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ راستہ میں چلتے ہوئے کسی عامی کا سامنا ہو تو تم اسکو خود سلام نہیں کرتے بلکہ اُسکے سلام کے منتظر رہتے ہو۔ یہ بھی وہی حب جاہ ہے کہ تم اپنے کو بڑا سمجھتے ہو کہاں تک گناؤں ہزاروں باتیں ہیں بقول شاعر ؂

یک تن و خیل آرزو دل بچہ مدعا دہم ‌ ‌ ‌ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

ایک بات ہو تو اسکو رویا جائے۔ افسوس ہم تو سر سے پیر تک ذمائم میں غرق ہیں صاحبو! ہمارے اکابر تو ایسے نہ تھے بلکہ اُنکی تو یہ حالت تھی کہ حضرت مولانا محمد

محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار چارپائی کی پائینتی کی طرف بیٹھے ہوئے تھے کہ خط بنانے کو حجام حاضر ہوا آپنے اُس سے فرمایا کہ بھائی بیٹھ جا اُسنے کہا حضرت میں تو سرہانے نہیں بیٹھ سکتا آپ سرہانے بیٹھ جائیں تو میں بیٹھوں فرمایا تو پھر اس وقت چلا جا جب تو مجھے سرہانے بیٹھا ہوا دیکھے اسوقت آکر حجامت بنا دینا میں کہاں جھگڑا کروں کہ پائینتی چھوڑ کر سرہانے جاکر بیٹھوں - ایک دوسرے بزرگ اسوقت موجود تھے انہوں نے حجام سے کہا کہ ارے یہ سرہانے نہیں بیٹھیں گے تو ہی بیٹھ جا

صاحبو ہمارے اکابر تو اس شان کے تھے اور گو میں کچھ نہیں ہوں مگر الحمد للہ اپنے اکابر کے اس طرز کا عاشق ہوں اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اس رمضان گذشتہ میں لوگوں نے جامع مسجد کی امامت کے لئے مجھسے درخواست کی حالانکہ امامت و خطابت قدیم سے ہمارے قصبہ میں خطیبوں ہی کے خاندان میں ہے جنمیں سے میں بھی ہوں مگر ابتک دوسرے خاندان کے لوگ امام تھے تو مجھے واللہ ایک دن بھی یہ وسوسہ نہیں آیا کہ اپنا منصب دوسرے کے پاس کیوں ہے مگر اب بعض وجوہ سے لوگوں کو پہلے امام سے انقباض ہوگیا اور مجھے امام کرنا چاہا تو میں نے صاف کہدیا کہ جب تک خود وہ امام اجازت نہ دے میں امامت نہیں کر سکتا چنانچہ خود ان لوگوں نے بھی درخواست کی تو میں نے ممبر پر کھڑے ہوتے ہی صاف کہدیا کہ میں اسوقت آپ لوگوں کے کہنے سے امامت قبول کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ یہ میرا حق نہیں جیسا کہ عام طور پر لوگ اسکو اپنا حق سمجھہ لیتے ہیں نہ میرے خاندان کو اس حق کی میراث پہونچے گی اور میں صرف اُس وقت تک امام رہوں گا جب تک آپ سب لوگ راضی رہیں اور اگر کسی ایک شخص کی بھی مرضی نہ ہو خواہ وہ جلاہا یا تیلی ہی ہو تو وہ ڈاک میں جسوقت بھی ایک کارڈ میرے نام ڈالدے گا کہ امامت سے الگ ہو جاؤ اُسی دن میں امامت چھوڑ دوں گا - واللہ مجھے ممبر اور وعظ و امامت کی خواہش نہیں لوگ مجھسے ممبر اور وعظ وغیرہ کا کام لیلیں اور مجھے اس سے منع کر دیں اور ایک حجرہ مجھے ملجائے تو میں اسپر راضی ہوں اور اگر حجرہ بھی چھین لیا جائے تو مجھے اس سے بھی دریغ نہیں میں اپنے گھر میں یا جنگل میں بیٹھکر

اپنے خدا کو یاد کر لوں گا۔ افسوس آج کل کے علماء کے اندر یہ بات نہیں دیکھی جاتی بلکہ جگہ جگہ یہ سننے میں آتا ہے کہ وہاں امامت پر جھگڑا ہے وہاں وعظ پر فساد ہے بات یہ ہے کہ مقصود جاہ ہے اسمیں دوسرا شریک ہو جاتا ہے تو ناگواری ہوتی ہے خدا مقصود نہیں اگر خدا مقصود ہوتا تو یہ امامت و منصب وبال جان معلوم ہوتا۔ ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ حضرت کو ایک شخص نے رقعہ دیا اوسمیں یہ مضمون تھا کہ آپ کا فلاں مُرید ایسے ایسے کام کرتا ہے اسکو منع کر دیجئے ورنہ اندیشہ ہے کہ لوگ حضرت سے بے اعتقاد ہو جائینگے حضرت نے فرمایا کہ بھائی دوسروں پر کیوں رکھتے ہو اگر تمہارا جی بے اعتقاد ہونیکو چاہتا ہے تو تم بے اعتقاد ہو جاؤ۔ اور مجھے تم لوگوں کے بے اعتقادی سے کیا ڈراتے ہو میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ مخلوق مجھے چھوڑ دے اور مردود سمجھکر مجھسے سب الگ ہو جائیں بس میں ہوں اور میرا خدا۔ ارے مجھے تو تمہارے اعتقاد نے پریشان کر دیا ہے کہ مجھے اپنے خدا کو یاد کرنے کا بھی یکسوئی کیساتھ وقت نہیں ملتا واقعی عاشق تو یہ چاہتا ہے کہ اوسکا یہ حال ہو ؎

چہ خوش وقتے و خرم روزگارے | کہ یارے برخورد از وصل یارے

اگر کسی کا یہ مذاق ہو جائے تو اسکو منصب اور امامت و شہرت سے خود ہی نفرت ہو جائیگی اور اگر یہ مذاق نہو اور شہرت کی ہوس ہی ہو تو اسکی تحصیل کا بھی وہ طریق نہیں جو رسمی علماء نے آجکل اختیار کیا ہے بلکہ اسکا طریق بھی فنا اور مٹانا ہی ہے اپنے کو جتنا مٹاؤ گے اتنا ہی مشہور ہو گے گو اس نیت سے فنا کا اختیار مذموم ہے مگر اسپر شہرت کا ترتب ضرور ہو جائیگا جو تمہارا مدعیٰ ہے نیز اہل اسلام تمہاری پارٹی بندیوں کے ضرر سے محفوظ رہینگے اسیکو ایک شاعر کہتا ہے ؎

اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزلت شو | کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا

مگر شہرت کی طلب نہ معلوم لوگوں کو کیوں ہے اسمیں کیا خوبی انھوں نے دیکھی ہے اگر غور کرکے دیکھا جائے تو اسکی حقیقت تو صرف اتنی ہے کہ لوگ ہمکو بڑا سمجھیں جو کہ محض ایک خیالی شی ہے تو نفع تو محض وہمی و خیالی اور ضرر اس کا واقعی جسکو مولانا فرماتے ہیں ؎

اشتہار خلق بند محکم ست — بند این از بند آہن کے کم ست

چشمہا و خشمہا و رشک ہا — بر سرت ریزد چو آب از مشکہا

مشہور آدمی سے لوگوں کو حسد و عداوت پیدا ہو جاتی ہے اسکے درپے ہو جاتے ہیں اور بستی میں جب کوئی نئی واردات ہوتی ہے تو سب سے پہلے مشہور آدمیوں کی گردن نا پی جاتی ہے گمناموں گھس کھدوں کو کون پوچھتا ہے اسلئے سلامتی اسی میں ہے کہ ؎

خویش را رنجور ساز و زار زار — تا ترا بیروں کنند از اشتہار

اپنے آپکو گمنام کرو دنیا کی راحت بھی اسی میں ہے اور دین کی راحت بھی کیونکہ گمنام آدمی کو یکسوئی اور خلوت کا موقعہ بہت ملتا ہے اور خلوت کو صفائے قلب میں بہت دخل ہے ؎

گرچہ بگزید ہر کو عاقل ست — زانکہ در خلوت صفاہائے دل ست

ہاں جس شخص کو خود اللہ تعالیٰ مشہور فرما دیں اور وہ شہرت کا طالب نہو تو وہ مجبور ہے اور اس مجبوری کی وجہ سے یہ شہرت اُسکو مضر بھی نہیں ہوتی کیونکہ غیب سے اس شخص کی امداد ہوتی ہے اور جو طالب شہرت ہوگا اسکو ضرور نقصان پھونچے گا جسکی دلیل حدیث صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد الرحمن بن سمرہ صحابی کو فرمایا تھا لا تسئل الامارۃ فانک ان اعطیتہا عن مسئلۃ وکلت الیہا وان اعطیتہا عن غیر مسئلۃ اعنت علیہا۔ (متفق علیہ) یہ مضمون میں نے اسلئے بیان کر دیا کہ میں نے سنا تھا کہ اس شہر میں امامت وغیرہ پر بہت جھگڑے رہتے ہیں تو علماء کے لئے لازم یہ ہے کہ انکی امامت سے اگر ایک شخص کو بھی کراہت ہو تو فوراً اس سے علیحدہ ہو جائیں پھر انشاء اللہ بہت جلد وہ الگ کرنے والے ہی آگے ہاتھ جوڑیں گے اور یاد رکھئے جب تک علماء حُب مال و حُب جاہ کو زائل نکرینگے اسوقت تک عوام کی اصلاح نہیں ہو سکتی نہ عوام کی نظر میں دین کی وقعت ہو سکتی ہے۔ یہ مضمون بہت طویل ہو گیا اور وقت بھی زیادہ گذر گیا مگر امید ہے کہ سب ضرورت کے موافق بیان ہوا ہے اور گو یہ مضمون تلخ ہے کیونکہ اس میں تمام فرقوں کو دعوت دیگئی ہے مگر مصالحدار ہے ایسا تلخ نہیں جسمیں کچھ لطف

ہی نہو بلکہ اسکی تلخی تمباکو اور افیون کی تلخی جیسی ہے کہ ایک بار کوئی اسکا تحمل کرے تو پھر عمر بھر بندہٗ بے درم ہو جائیگا اسی طرح اس مضمون کی تلخی کو ایک بار آپ گوارا کر لیجئے پھر انشاء اللہ عمر بھر دعا دیں گے - اب میں آیت کی طرف عود کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس غلطی کو رفع فرمایا ہے جو بعض لوگ سمجھے ہوئے ہیں کہ قرآن سے صرف معانی مقصود ہیں یہ خیال غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیات کو قرآن وکتاب فرمایا ہے کہ یہ لکھنے پڑھنے کی چیز ہے اور ظاہر ہے کہ لکھنا پڑھنا الفاظ ہی کے متعلق ہے نہ کہ معانی محضہ کے - اب یہاں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ ایک جگہہ تو لفظ قرآن کو مقدم کیا ہے لفظ کتاب سے اور ایک جگہہ اس کا عکس ہے جس سے معلوم ہوا کہ من وجہ الفاظ میں مقصودیت زیادہ ہے اور من وجہ معانی میں مقصودیت زیادہ ہے اور یہ نکتہ اسطرح حاصل ہوا کہ قرارت الفاظ کی ہوتی ہے اور الفاظ کا مدلول قریب معانی ہیں اور کتابت نقوش کی ہوتی ہے اور اوس کا مدلول قریب الفاظ ہیں اور معانی مدلول بعید پس قرارت کی حالت میں معانی کی طرف اول ہی توجہ ہو جاتی ہے اور کتابت میں اول الفاظ کی طرف اور اونکے واسطہ سے معانی کی طرف اور مقصودیت سے مراد بھی مدلولیت ہے پس قرارت میں زیادہ مقصودیت معانی میں ہوئی اور کتابت میں زیادہ مقصودیت الفاظ میں ہوئی پس اس مجموعہ میں اشارہ ہو گیا کہ الفاظ بھی اس درجہ میں مقصود ہیں کہ معانی میں من کل الوجوہ مقصودیت بڑھی ہوئی نہیں بلکہ بعض وجوہ سے الفاظ میں بھی مقصودیت بڑھی ہوئی ہے اور اسی مقام سے ایک اور مسئلہ بھی حاصل ہو گیا جسمیں علماء کا اختلاف ہے کہ قرآن کا دیکھکر مصحف میں پڑھنا افضل ہے یا حفظ پڑھنا افضل ہے جو حضرات حفظ پڑھنے کو افضل کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس میں تدبر زیادہ ہوتا ہے الفاظ سے بلا واسطہ معانی کی طرف التفات ہو جاتا ہے اور نقوش سے التفات بواسطہ ہوتا ہے - اور بعض نے مصحف سے پڑھنے کو افضل کہا ہے اسلئے کہ اس میں محل توجہ متعدد ہوتے ہیں الفاظ تو بلا واسطہ نقوش اور معانی بواسطہ الفاظ تو اس میں عبادت متعدد ہوتی ہے یہ تعدد تو باعتبار مدلول کا ہے اور دال کے اعتبار سے بھی تعدد ہے ایک نقوش کے اعتبار سے یعنی عبادت بصر دوسرے الفاظ کے اعتبار سے یعنی

عبادت لسان پس اسمیں دو عبادتیں مجتمع ہو جاتی ہیں (وھذا ھو المؤید بالحدیث
بظاہر لفظہ وھو قولہ علیہ السلام قراءۃ الرجل القرآن فی غیر المصحف الف درجۃ
وقراءتہ فی المصحف تضعف علی ذلک الی الفی درجۃ رواہ البیہقی والاول مؤید
بقولہ عز وجل ولیدبروا ایاتہ ولیتذکر اولوا الالباب کما فی اللمعات عن النووی
انہ ای الحدیث) لیس علی اطلاقہ بل ان کان القاری من حفظہ یحصل لہ من
التدبر والتفکر وجمع القلب اکثر مما یحصل من المصحف فالقراءۃ من الحفظ
افضل وان استویا فمن المصحف افضل ھذا امداد السلف ۱۲) اور ایک نکتہ اور
ہو سکتا ہے وہ یہ کہ قرآن کے محفوظ ہونے میں من وجہ الفاظ مقروہ کو زیادہ دخل ہے
کہ خدانکردہ اگر جمیع مصاحف تلف ہو جاویں تو حافظان الفاظ از سر نو قرآن کو مدون
کر سکتے ہیں اور من وجہ نقوش کو زیادہ دخل ہے کہ اختلاف فی الالفاظ کیوقت مکتوب
کی طرف مراجعت کر کے فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اسکے بعد مُبین کی قید ہے اسمیں یہ اشارہ
ہے اس امر کی طرف کہ قرآن کی قراءت و کتابت دونوں واضح اور ظاہر ہونی چاہئیں ۳۲
اسی لئے فقہاء نے قرآن کی تقطیع چھوٹی کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ مستحب یہ ہے کہ
قرآن کی تقطیع بڑی ہو تاکہ کتابت واضح اور صاف ہو لیکن متوسط تقطیع کا مضائقہ
نہیں جیسے حمائل کی تقطیع ہے کہ اس سے سفر میں سہولت ہوتی ہے ہاں یہ جو آجکل بعض
تعویذی قرآن شائع ہوئے ہیں یہ بیشک مکروہ ہے۔ اب میں حروف مقطعات کا
نکتہ بیان کرتا ہوں جو ان آیات کے شروع میں وارد ہیں اور میں ان سے بھی اپنا
مدعی ثابت کروں گا جیسا کہ میں نے شروع میں وعدہ کیا تھا۔ حروف مقطعات
میں بہت سے نکات ہیں ایک نکتہ یہ ہے کہ یہ اسرار ہیں درمیان اللہ تعالے اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور انکے معانی سے واقف تھے مگر دوسروں پر آپنے انکے معانی
ظاہر نہیں فرمائے کیونکہ ان کا تعلق محکمہ شرائع عالیہ سے نہیں بلکہ دوسرے محکمہ سے ہے ان
اسرار کو اسی محکمہ کے آدمیوں پر ظاہر کیا جاتا ہے تو ممکن ہے کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام
کو ان سے واقف کیا گیا ہو چونکہ امت کو اس محکمہ سے تعلق نہیں اسلئے ہم لوگوں کو ان اسرار

پر مطلع نہیں کیا گیا۔ ایک مرتبہ میں نے درس میں یہی تقریر کی تھی اور اسوقت ایک کوٹ انسپکٹر موجود تھے وہ کہنے لگے آپ سچ کہتے ہیں واقعی ہر محکمہ کے خاص اسرار ہوتے ہیں جنسے دوسرے محکمہ والوں کو مطلع نہیں کیا جاتا میں نے کہا آپ تو ایسی تصدیق کر رہے ہیں جیسے آپ پر یہ بات گذری ہو کہنے لگے جی ہاں مجھے آجکل ہی میں یہ بات پیش آئی ہے۔ میں ایک دن سپرنٹنڈنٹ کی کوٹھی پر گیا ہوا تھا انکی میز پر ایک کتاب رکھی تھی میں اسکو دیکھنے لگا تو صاحب نے وہ کتاب میرے ہاتھ سے لیلی اور کہا یہ آپکے دیکھنے کی نہیں ہے اسمیں محکمہ خفیہ پولیس کے اسرار ہیں جنسے دوسرے محکمہ والوں کو مطلع نہیں کیا جاتا اور وہ اسرار کچھ اصطلاحات ہیں کہ سی آئی ڈی والے اون اصطلاحات میں ایک دوسرے کو تار کے ذریعہ سے خبریں دیتے ہیں اور دوسرے لوگ اون اخبار پر مطلع نہیں ہوتے اس سے میرا بڑا جی خوش ہوا کہ حسیات میں بھی اسکی نظیر موجود ہے دوسرا نکتہ اسمیں ابھی میرے ذہن میں آیا ہے وہ یہ کہ ممکن ہے اس میں اس مضمون پر تنبیہ مقصود ہو کہ قرآن سے محض معانی مقصود نہیں بلکہ الفاظ بھی مقصود ہیں کیونکہ بعض الفاظ قرآن میں غیر معلوم المعنے ہیں اگر صرف معانی مقصود ہوتے تو قرآن میں یہ ایسے الفاظ کیوں ہوتے حالانکہ وہ جزو ۳۴
قرآن ہیں جنکی قرآنیت کا انکار کفر ہے ایک نکتہ اس میں یہ ہے کہ حروف مقطعات میں آحاد وعشرات و مآت کو جمع کیا گیا ہے جس سے بعض اہل کشف نے بعض حوادث پر بطور پیشین گوئی کے استدلال کیا ہے جو ایک مستقل علم ہے اسکے علاوہ اور بہت سے نکات ہیں خلاصہ بیان کا یہ ہے کہ نہ محض الفاظ کو مقصود سمجھو اور معانی کو بیکار نہ محض معانی کو مقصود سمجھو اور الفاظ کو بے کار بلکہ قرآن کے الفاظ و معانی دونوں مقصود ہیں اسلئے اصولیین نے کہا ہے کہ القرآن اسمٌ للفظ والمعنی جمیعًا۔ اور امام صاحب سے جو قراءت بالفارسیہ کا جواز مذکور ہے اسکا یہ مبنی نہیں کہ وہ قرآن کا مصداق صرف معنی کو سمجھتے ہیں بلکہ اسکا مبنی دوسرا ہے جسکو اصولیین نے مفصل بیان کیا ہے۔ پھر امام صاحب کا یہ قول مرجوع عنہ بھی ہے جس سے امام صاحب[عہ] نے بعد میں رجوع کر لیا ہے تو ایسے قول سے استدلال لغو ہے۔ غرض دین صحیح وہی ہے جو صورت و معنی دونوں کا جامع ہے سو

عہ۔ اس مسئلہ کی تحقیق اعلاء السنن میں قابل دید ہے ۱۲ ظ

قرآن کی بھی یہی شان ہے کسی نے خوب کہا ہے ؎

بہار عالم حسنش دل و جان تازہ میدارد　　برنگ اصحاب صورت را ببوا ارباب معنی را

میں نے شاید پہلے بھی کہا تھا اور اب پھر کہتا ہوں کہ آخر آپ جو نکاح کرتے ہیں تو کیا بیوی کی صرف سیرت ہی دیکھتے ہیں یا صورت کا بھی لحاظ ہوتا ہے یقیناً صورت و سیرت دونوں کی رعایت کیجاتی ہے۔ پھر دین ہی میں صورت کیوں بیکار ہو گئی۔ بعض لوگوں نے اسکے خلاف مولانا رومی کی طرف ایک شعر منسوب کر کہا ہے ؎

من ز قرآن مغز را بر داشتم　　استخواں پیش سگاں بگذاشتم

سو خوب سن لیجئے کہ یہ شعر مثنوی کا نہیں ہے نہ معلوم کس کا شعر ہے اسلئے اس سے احتجاج نہیں ہو سکتا پھر دلائل شرعیہ کے سامنے اشعار سے احتجاج کرنا کب جائز ہے خواہ کسی کا ہو بلکہ خود اس شعر میں تاویل کرنا واجب ہوگا اگر کسی مقبول کا ہو ورنہ وہ شعر ہی مردود ہے۔ اور قرآن میں سب مغز ہی مغز ہے لفظ بھی معنی بھی اُس میں چھلکا گٹھلی کچھ نہیں ہے اُسکی تو یہ شان ہے ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

حسین آدمی کی ہر ادا دلربا ہوتی ہے اسکی کوئی چیز زائد و بیکار نہیں ہوتی بلکہ ایک چیز بھی کم ہو جائے تو حُسن میں کمی ہو جائیگی بس اب میں ختم کرتا ہوں اور میں نے آپ حضرات کا بہت وقت لیا اسکی معافی چاہتا ہوں (مجمع سے آواز آئی مرحبا مرحبا جزاک اللہ جب تک جی چاہے بیان فرمائیے ہم سب مشتاق ہیں فرمایا) بس اب میں ختم کر چکا حق تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ ہمکو عمل کی توفیق ہو اور فہم سلیم عطا ہو۔ وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ختم شد وعظ الفاظ القرآن

حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب دام ظلہم کی تازہ تالیف

التنبیہ لطربی (فی) تنزیہ ابن العربی

یعنی حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ پر جو اعتراضات ہیں اُن کا جواب

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ منجملہ صوفیہ امت کے اپنے زمانہ سے اسوقت تک خصوصیت کیساتھ ایک معرکۃ الآرا مسئلہ مختلف فیہا رہے ہیں اور منشا اس اختلاف کا بعض اقوال ہیں جو انکی طرف منسوب ہیں جنکا ظاہر شریعت کے خلاف ہے بعض نے انکو خلاف شریعت دیکھکر شیخ رح کی تضلیل کی۔ بعض نے انکے تاریخی احوال پر نظر کر کے انکو اولیاء اللہ میں شمار کیا اور انکی ان ہی فضائل وکمالات ودیگر علوم ومقالات کو دیکھکر اُنکے اقوال موہمہ میں سے بعض کی نسبت انکار کیا اور بعض میں ان کی اصطلاحات پر نظر کر کے تاویل کی اور بعض میں ثابت کر دیا کہ وہ شریعت میں مسکوت عنہا ہیں مخالف نہیں اور چونکہ اپنے اکابر کو حضرت شیخ رح کا معتقد پایا اسلئے اکثر حضرات کا دل چاہتا تھا کہ کوئی محقق جو جامع شریعت وطریقت ہو حضرت شیخ رح کے اقوال کی تحقیق کرے اور حقیقت کو واضح کرے خدا تعالی جزائے خیر عطا فرماوے حکیم الامۃ حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب دام ظلہم العالی کو اور انکی عمر میں برکت عطا فرماوے اور انکے مدارج میں دن دُنی رات چوگنی ترقی عطا فرماوے کہ انھوں نے اس ضرورت کو بھی پورا فرما دیا اور یہ کتاب تالیف فرمائی جسمیں حضرت شیخ رح کے اقوال موہمہ خلاف شریعت کو اُن ہی کے دوسرے اقوال سے حل فرما دیا جس سے وہ اقوال یا بے غبار ہو گئے یا ثابت ہو گیا کہ انکی نسبت شیخ رح کی طرف غلط تھی اس مبحث میں کتاب خود بے نظیر ہے پوری حقیقت مطالعہ سے واضح ہو گی ایک کالم میں عربی ہے اور اسکے مقابل کالم میں اسکا نہایت سلیس ترجمہ ہے امید کہ شائقین جلد طلب فرماوینگے قیمت علاوہ محصولڈاک ایکروپیہ (عہ) مقرر ہے محصولڈاک مع خرچ رجسٹری ۱۲؍ اور بصورت وی پی ایکروپیہ چھ آنہ ہو جاتے ہیں

الملتمس احقر محمد شبیر علی عفی عنہ مدیر رسالہ النور تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

قواعد و ضوابط رسالہ التبلیغ

(۱) اس رسالہ میں حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ جامع شریعت و طریقت واقف اسرار حقیقت مرشدنا و مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی دام ظلہم کے صرف مواعظ حسنہ ماہوار شائع ہوتے ہیں (۲) رسالہ ہذا کا مقصود مسلمانوں خصوصاً سالکین طریقت کے ظاہر و باطن کی اور شکوک اوہام متعلقہ عقائد و احکام کی اصلاح ہے جو حضرت مولانا صاحب دام ظلہم العالی کے مواعظ کا خاص ممتاز فائدہ ہے (۳) اس رسالہ کے ہر مہینہ میں چالیس صفحے ہوتے ہیں مگر چونکہ ہر وعظ پورے چالیس ہی صفحہ کا نہیں ہوتا بعض وعظ کم صفحات کے اور اکثر زائد صفحات کے ہوتے ہیں اسلئے ہر مہینہ پورا وعظ ارسال نہیں ہوتا بلکہ ہر رسالہ میں کسی وعظ کے اخیر کے صفحات اور دوسرے وعظ کے شروع کے صفحات شامل کر کے چالیس صفحے پورے کر دئے جاتے ہیں لہذا سب حضرات خریداران ہر رسالہ کو بحفاظت رکھیں تاکہ جس وعظ کے کسی مہینہ میں شروع کے چند اوراق ارسال ہوئے ہیں دوسرے مہینہ میں جب اسکے اخیر صفحات دفتر سے موصول ہوں تو دونوں ملا کر وعظ پورا کر لیا جاوے۔ رسالہ کا نمبر اور مہینہ کا نام ہر صفحہ کے نیچے لکھا ہوتا ہے اس سے تو سال بھر کے بارہ پرچے دیکھ لئے جاویں کہ پورے وصول ہو گئے یا نہیں اور وعظ کا نام ہر صفحہ کے اوپر لکھا ہوتا ہے اس سے ہر وعظ کے اوراق ملا کر وعظ پورا کر لیا جا سکتا ہے (۴) یہ رسالہ ہر مہینہ کا اسی مہینہ کی کسی تاریخ میں شائع ہو جاتا ہے اگر کسی مہینہ کا رسالہ نہ پہونچے تو فوراً خط و کتابت کر کے پیسے خراب نہ کئے جاویں بلکہ دوسرے ماہ کے رسالہ تک انتظار کریں اگر دوسرے ماہ میں پچھلے ماہ کا اور اس ماہ کا دونوں کا رسالہ پہونچ جائے نبہا اور اگر دوسرے ماہ کا رسالہ پہونچ جاوے اور پچھلے ماہ کا نہ پہونچے تو فوراً پچھلے ماہ کے رسالہ کی اطلاع دفتر کو کر دیجاوے تو دوبارہ بیرنگ روانہ کر دیا جاتا ہے اگر دوسرے رسالہ کے پہونچنے پر بھی اطلاع نہ دیگئی تو پھر رسالہ قیمتاً ملتا ہے (۵) رسالہ کی قیمت سالانہ مع محصول ڈاک دو روپیہ آٹھ آنہ (عہ/) اور بصورت وی پی دو روپیہ بارہ آنہ (عہ۱۲) اور ممالک غیر سے چار شلنگ چھ پنس مقرر ہے اور ایک پرچہ کی قیمت مع محصول چار آنہ (۴ر) اور ممالک غیر سے چھ پنس ہے قیمت ہر صورت میں پیشگی لیجاتی ہے (۶) ہر خریدار کو شروع سال سے خریدار ہونا ضروری ہے جو صاحب میان سال میں خریدار ہونگے انکو شروع سال سے کل رسالے روانہ کر کے شروع ہی سے خریدار سمجھا جاویگا رسالہ کا سال شوال سے شروع ہے (۷) یہ رسالہ کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک روانہ نہیں کیا جاتا بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے احباب پر دوسرے حضرات کی خدمت میں روانہ کرنیکی فرمائش کرتے ہیں لہذا اگر کسی صاحب کی خدمت میں بغیر انکی طلب کے رسالہ پہونچے تو یہ سمجھ لیں کہ انکے کسی معتمد نے بھیجا ہے لہذا اسکا وی پی کسی حال میں واپس نہ فرمایا جاوے (۸) رسالہ ہذا کے متعلق جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بپتہ ذیل ہونا چاہئے

احقر محمد شبیر علی مدیر رسالہ النور و التبلیغ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر